آثارِ رحمت

حصہ اوّل و دوم

از افاضات

قدوۃ السالکین و زبدۃ العارفین و الکاملین حضرت اقدس

مولانا مولوی حافظ قاری حاجی جلیل احمد صاحب

علی گڑھی دام ظلہم العالی

خلیفہ و مجاز بیعت حضرت اقدس حکیم الامۃ مجدد الملۃ محی السنۃ

مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

الناشر

بشیر دانی بریلوی ناظم کتب خانہ تجدیدات اشرفیہ و صیانۃ المسلمین

جامعہ اشرفیہ گلی ۶۸ نیلا گنبد انار کلی لاہور

(قیمت علاوہ محصول ڈاک دو روپے دو آنے)

مجدد کے حالات کے مطالعہ کا ثبوت قرآن سے

فانظر الی اثر رحمت اللہ کیف یحیی الارض بعد موتہا

(پارہ ۲۱ اتل ما)

اس آیت کے اندر بارش کو چونکہ وہ دنیا کی تر و تازگی کا سبب ہے آثار رحمت کے اندر داخل فرما کر اس کے حالات کے مطالعہ کا حکم دیا گیا ہے تو مجدد دین جو کہ از روئے حدیث صحیح دین کی تر و تازگی کا سبب ہے کیوں نہ بدرجہ اولی آثار رحمت کے اندر داخل ہوگا اور اس کے حالات کا مطالعہ از روئے قرآن کیوں نہ مطلوب و پسندیدہ ہوگا اور اس کتاب المسمی بہ

آثار رحمت

کے اندر موجودہ صدی کے مجدد کے حالات و برکات ہدایات کا خاص طور پر بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ اس سے مستفید ہو کر مسلمانوں کو دین و دنیا کی کامل ترقی نصیب ہو۔

فہرست آثار رحمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ

ہر صدی پر مجدّد کی بعثت کی ضرورت اور حکمت کا استنباس قرآن سے

ولقد وصلنا لهم القول لعلهم يتذكرون (پارہ ۲۰ قریب النصف)

ترجمہ :۔ ہم نے اس کلام (یعنی قرآن) کو اُن لوگوں کیلئے وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے بھیجا تاکہ یہ لوگ (بار بار تازہ بتازہ سننے سے) نصیحت مانیں۔ الخ (تفسیر مکمل بیان القرآن)

اِس آیت سے نہ صرف یہ ثابت ہوا کہ اصل مقصود تذکر ہے جو موقوف علیہ ہے بقار دین کا بلکہ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ تبلیغ کے اندر توصیل[1] و تکرار مفید تذکر ہے اور تبلیغ ظاہر

---

[1] تشریح مقام برائے حضرات عوام

ہر صدی پر مجدّد کے پیدا کرنے کی ضرورت اور حکمت کا بیان قرآن کی روشنی میں :۔ اِس آیت میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے جو ارشاد

ہے کہ موقوف ہے مبلغ کے وجود پر پس ضروری ہوا کہ جب تک تبلیغ و تذکیر کا سلسلہ جاری رہے مذکرین اور مبلغین کا سلسلہ منقطع نہ ہو بلکہ وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے مبلغین کو مبعوث کیا جاتا رہے تاکہ دینِ اسلام محفوظ رہے

(بقیہ حاشیہ ص۷) فرمایا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے سارے قرآن کو جو ایک دفعہ نازل نہیں کیا بلکہ کئی دفعہ میں اُتارا تو اسکی وجہ یہ تھی کہ ایک دفعہ کی نصیحت میں اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا کہ بار بار کی تنبیہ میں ہوا کرتا ہے۔

پس اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ حق تعالےٰ کا مقصود یہ ہے کہ اُسکے بندے اُسکی نصیحت کو مانیں دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک بار کی نصیحت اور تبلیغ زیادہ مفید نہیں ہوتی بلکہ ضرورت اِسکی ہے کہ نصیحت اور تبلیغ بار بار کی جاوے اور یہ بات ظاہر ہے کہ تبلیغ بغیر مبلّغ کے نہیں ہو سکتی اسلئے بار بار کی تبلیغ اُس صورت میں ہوتی کہ جب بار بار مبلّغین کو بھیجا جاتا اسلئے سارے ابنیاء علیہم السلام کو ایک بار دنیا میں نہیں بھیجا گیا بلکہ یکے بعد دیگرے بھیجا گیا تاکہ تبلیغ کا اثر (باقی ص۹)

اور ضائع نہ ہو چنانچہ یہی وجہ ہے کہ نہ تو صرف ایک پیغمبر پر اکتفاف فرمایا گیا بلکہ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ۱۲۴۰۰۰ پیغمبر مبعوث فرمائے گئے اور نہ اُن کو دفعتاً واحدۃً ایک زمانہ میں مبعوث فرمادیا گیا بلکہ وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے اُن کو بھیجا مگر جب تک

(بقیہ صث) جتنا کہ حق تعالےٰ کو منظور ہے خوب اچھی طرح ہو جائے اور دینِ حق کا وجود دنیا میں قائم رہے مٹنے نہ پائے۔ لیکن جبتک نبوت کا سلسلہ جاری رہا تو یہ انتظام بھی قائم رہا اور جب نبوت ختم ہوئی اور انبیاء علیہم السلام کا دُنیا میں آنا بند ہوگیا تو یہ انتظام بھی درہم برہم ہوگیا پس یہ دیکھکر جو اللہ کے بندے دین حق کے سچے بہی خواہ تھے وہ بیچین اور بے قرار ہوگئے اور اُن کو دینِ حق کے ضیاع یعنی ضائع ہو جانیکا اندیشہ پیدا ہوگیا پس حق تعالےٰ کو اپنے بندوں کی بیچینی گوارا نہ ہوئی اور اُس کا دریائے رحمت جوش میں آیا لہذا جیسے پہلے سلسلہ نبوت مقرر فرمایا تھا اور اُن کے ذریعہ سے دینِ حق کی تبلیغ کیجاتی تھی اب ختم سلسلہ نبوت کے بعد تا قربِ قیامت سلسلہ تجدید قائم فرمادیا اور نہ صرف یہ انتظام فرمایا بلکہ اِس انتظام کو حق تعالےٰ نے قرآن میں اپنے بندوں پر (باقی صنا)

سلسلہ نبوت کا منقطع نہ ہوا۔ تو یہ کام حضرات انبیاء علیہم السلام سے لیا جاتا رہا اور بعد ختم نبوت کے جیسے اسکی سخت ضرورت تھی کہ اس کام کے لئے کوئی دوسرا انتظام کیا جاوے تاکہ دینِ حق ضائع نہ ہو اسی طرح اُس دین کے سچے بہی خواہوں اور مخلص خدام کے اضطراب اور اُس بےچینی کے رفع کرنے کے لئے (جو اُن کو دینِ حق کے ضیاع کے خطرے سے بوجہ اُس سلسلۂ نبوت کے منقطع ہو جانے کے پیدا ہو چلی تھی) یہ ضروری تھا کہ اُس انتظام کو بندوں پر ظاہر اور تفصیلاً ظاہر ہی فرما دیا جائے تاکہ اُس خطرۂ ضیاع دین سے عامۂ مؤمنین عموماً اور خدامِ دین خصوصاً ہمیشہ کے لئے مامون و مطمئن ہو جائیں پس حق سبحانہٗ کی غایت رحمت اور فضل ہوا کہ اُس نے اپنے ارشاد :۔ اِنَّا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون میں اجمالی وعدہ فرمایا اور فخرِ عالم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) اور تاجدار مدینہ سردار دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں اپنی پیاری اُمت پر قیامت تک کے لئے ظاہر بھی فرما دیا (قرآن کی وہ آیت اور مجدد دین کے متعلق وہ حدیث اور اُسکی تشریح کتاب کے متن میں ملاحظہ ہو۔)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر بیحد احسان و کرم ہوا کہ آپ نے اپنے ارشاد فیض بنیاد کے ذریعے ہم کو اُس انتظام کی تفصیل سے مطلع فرمایا۔

مجدد کی بعثت کا قطعی ثبوت حدیث صحیح مرفوع سے

اور وہ ارشاد یہ ہے۔ الحدیث ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا ابوداؤد فی الملاحم (بسندہ) عن ابی ہریرۃ فیما اعلم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھذا وقد اخرجہ الطبرانی فی الاوسط وسندہ صحیح فرجالہم کلہم ثقات وکذا صححہ الحاکم وقولہ فیما اعلم لیس بشک فی وصلہ بل قد جعلہ وصلہ معلوماً لہ یعنی اللہ تعالیٰ اِس اُمّت کی اصلاح کے لئے ہر صدی کے سرے پر ایسا شخص مقرر فرمائیگا جو اُس کے لئے دین کو تازہ کردے گا۔

ف۔ اور حدیث کے موافق ہر صدی میں ایسا شخص ہوتا رہا ہے جس نے دین کی تجدید کی ہے اور تجدید کے یہ معنیٰ ہیں کہ دین کو اُن چیزوں سے صاف کردیا جو غیر دین تھیں اور جو دین کی چیزیں دین سے خارج کردی تھیں اُن کو داخل دین کرنے کا

اہتمام کیا اور بعض محدثین حضرات صوفیا میں سے ہوئے ہیں۔ انتہیٰ التشرف جلد دوم صفحہ ۳۵ اور اکثر علماء اسی طرف ہیں کہ وہ مجدد ہر صدی میں ایک ہوتا ہے۔ مظاہر حق ۱۲

پس اس ارشاد فیض بنیاد سے معلوم ہوا کہ چونکہ حفاظتِ دین موعود اور لازمی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت موقوف ہو گئی لہٰذا اِس دینِ حق کی اہم خدمات کی انجام دہی کے لئے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ بجائے انبیاء علیہم السلام ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں سے ایک فردِ ہر سو برس کے بعد ایسا مقرر ہوا کرے گا کہ اس اہم خدمات کو انجام دیا کرے گا۔

گویا کہ جیسے پہلے ہر زمانہ اپنے نبیؑ[1] کے لئے مخصوص ہوا کرتا تھا اسی طرح ہر زمانہ (کہ وہ صدی ہے) اِس مجدد کے لئے مخصوص ہوا کرے گی۔

---

[1] اور اگر کسی ایک زمانہ میں متعدد نبی ہوئے تو یا تو دوسرا پہلے کا تابع ہوا ہے یا وہ کسی دوسری قوم کی طرف مبعوث ہوا ہے تو اسکا بھی حاصل یہی ہے کہ اس قوم کا زمانہ اپنے نبی کیلئے مخصوص ہوا ہے۔ ۱۲

مجدّد
کا
منصب و درجہ

الحدیث۔ ان اللہ یبعث لہذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لہا دینہا ابوداؤد فی الملاحم (بسندہ) عن ابی ہریرۃ فیما اعلم عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اخرجہ الطبرانی فی الاوسط وسندہ صحیح و رجالہٗ کلہم ثقات وکذا اصححہ الحاکم وقولہ فیما اعلم لیس لشک فی اصلہ بل قد جعلہ وصلہٗ معلوماً لہ انتہی التشرف حصہ دوم ص ۳۴/۷۶

یہ وہی حدیث ہے جو اوپر مذکور ہو چکی ہے اسکے اندر قولہٗ یبعث لہذہ الامۃ اور قولہ یجدد لہا میں لام افادہ[۱] کا ہے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے تکمیل التصرف کے اندر اس حدیث کے ترجمہ میں تصریح فرمائی ہے اور وہ تصریح یہ ہے کہ اِس

---

[۱] بدلیل قولہ تعالیٰ لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت یعنی لام کے معنیٰ یہاں یہ ہوئے کہ اُس امت کی اصلاح کے لئے وہ مجدد بھیجا جاتا ہے۔ ۱۲

اُمت کی اصلاح کے لئے الخ جیسا اوپر مفصل عرض کیا جاچکا ہے

پس اِس سے جیسے اُس مجدد کے فرض منصبی کا علم ہوا کہ وہ

اصلاح اور تجدید ہے اِسی طرح اس مجدد کا درجہ بھی اس اُمت

کے مقابلے میں معلوم ہوگیا یعنی وہ مجدد اپنے زمانہ کی اُمت کا

مصلح اور متبوع[1] ہوگا اور وہ اُمت اسکی مستصلح[2] اور تابع ہوگی

اور ظاہر ہے کہ اُمت کے اندر اس زمانہ کی امت کا ہر جزو

داخل ہے خواہ وہ جماعت ہو کہ جسکا تعلق تکوینی خدمات سے

ہے جیسے ابدال[3] (کما صرح بہ حضرت حکیم الامۃ قدس اللہ سرہٗ

فی افادات الیومیہ الملفوظ ۳۶۹ النور بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ)

جسکا ذکر مثلاً اس حدیث میں ہے۔ عن شریح ابن عبید قال

ذکر اہل الشام عند علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقیل العنہم یا امیر المؤمنین

قال لا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الابدال یکون بالشام

---

[1] متبوع یعنی سردار

[2] مستصلح یعنی اصلاح کے لئے اُمت محتاج ہوگی مجدد کی مستصلح وہ ہوتا

ہے جو اصلاح کا محتاج ہو۔

[3] تشریح مقام برائے حضرات عوام :۔ اِس مضمون کا خلاصہ (باقی ص ۱۵)

وهم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل الله مکانہ رجلا یسقی بھم الغیث وینتصر بھم علی الاعداء ویصرف عن اهل الشام بھم العذاب۔ المشکوٰۃ باب ذکر الیمن والشام۔ معنے حدیث یعنی ذکر کئے گئے اہل شام نزدیک حضرت علیؓ کے اور کہا گیا حضرت علیؓ سے کہ لعنت کرو

(بقیہ ص۱۲) یہ ہے کہ حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ مجدد اپنے زمانہ کے تمام اولیاء اللہ کا سردار ہوتا ہے خواہ اولیاء اللہ کی وہ جماعت ہو کہ جسکا نام ابدال ہے یا وہ ہو کہ جس کو اقطاب کہتے ہیں یا وہ ہو کہ جسکو اوتاد کہا جاتا ہے یا وہ ہو کہ جسکا لقب غوث ہوتا ہے یا دوسرے علماء و اکابر امت ہوں کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اُن کے سپرد اس کے زمانہ کی کل اُمت محمدیہ کی اصلاح ہوتی ہے اور وہ تمام اُمت محمدیہ کا مصلح اور مقتداء ہوتا ہے اور اُس کے زمانہ کی تمام اُمت محمدیہ اُس کی مقتدی اور تابع ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے مقتداء اور مصلح کا درجہ بڑھ کر ہوتا ہے مقتدی سے اور تابع سے لہذا حدیث سے ثابت ہے کہ مجدد کا مرتبہ بڑھ کر ہوتا ہے اپنے زمانہ کی کل اُمت محمدیہ کے اولیاء علماء اور فقراء سے اور وہ حدیث جس سے مجدد کا اتنا عظیم مرتبہ ثابت ہوتا ہے وہ حدیث کوئی معمولی حدیث نہیں بلکہ صحیح اور مرفوع حدیث ہے جسکو بڑے بڑے اولیاء اور علماء (باقی ص۱۶ پر)

اُن کو اے امیر المومنین کہا علیؓ نے کہ لعنت نہیں کرتا ہوں میں اہلِ شام کو تحقیق میں نے سُنا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے ابدال ہوتے ہیں شام میں۔

اور ابدال چالیس مرد ہیں جبکہ مرتا ہے ایک مرد لاتا ہے خدا تعالےٰ اُس کے بدل میں ایک اور مرد کو اُنکے وجودِ برکت سے مینہہ برستا ہے اور بدلہ لیا جاتا ہے ساتھ مدد اُن کی کے دشمنوں یعنی کفار سے اور دفع کیا جاتا ہے اہل شام سے ساتھ برکت اُنکی کے عذاب انتہیٰ) اور اس جماعت کو اہل خدمت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے یا وہ جماعت ہو کہ جس کا تعلق تشریعی خدمات یعنی ارشاد و ہدایت سے ہے۔ جس کا ذکر اس حدیث میں ہے عن معاویہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یزال من امتی امۃ قائمۃ با مر اللہ لا یضرھم

بقیہ حاشیہ ص۱۵ ۔ تسلیم کیا ہے اور اُس پر اگر کسی کو شبہ ہوا ہے تو اُسکا جواب دیا ہے نیز مجدد کی کچھ علامتیں مقرر کی گئی ہیں تاکہ ہر شخص کے مجدد ہونے کا دعویٰ صحیح نہ مانا جاوے اور جو واقعی مجدد ہو اُسکا پتہ طالب حق کو پورا پورا چلجائے لہذا آگے اُن علامت کا بیان اور مدلل بیان کیا جاتا ہے ؛۔

من خذلہم ولا من خالفہم حتیٰ یاتی امر اللہ وھم علیٰ ذالک متفقاً علیہ مشکوٰۃ باب ثواب ہذہ الامۃ (ترجمہ) روایت ہے معاویہ سے کہ سنا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے ہمیشہ رہے گا اُمت اجابت سے میری سے ایک گروہ قائم ساتھ حکم اللہ کے نہیں ضرر کریگا اُن کو یعنی اُن کے دین وامر کو وہ شخص کہ ترک کرے مددگاری اُنکی اور نہ وہ شخص کہ مخالفت کرے اُن کی یعنی نہ موافقت کرے اُن کے امر کی یہانتک کہ آوے حکم خدا کا یعنی موت اُن کی اور انقضاء عہدان کا اور وہ اوپر اسی کار اپنے کے ہونگے انتہیٰ اور قطب الارشاد کا تعلق اس جماعت سے ہوتا ہے۔ چونکہ تشریعی عہدہ درجہ میں اعلیٰ ہے تکوینی عہدہ سے اس لئے اس آخرالذکر جماعت اہل ارشاد کا عہدہ اعلیٰ ہے اول الذکر جماعت اہل خدمت سے تو چونکہ مجدد کا حدیث موصوف بالا سے اُمت کا مصلح ہونا ثابت ہوا اور اُمت کے اندر یہ دونوں جماعتیں بھی داخل ہیں لہذا ثابت ہوا کہ مجدد کو مصلح اور متبوع کا درجہ حاصل ہوگا۔ ان دونوں جماعتوں کے مقابلہ میں بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مجدّد کی علامات

پس جب حدیث ابی ہریرہ مذکورہ بالا سے یہ ثابت ہوا کہ مجدد کو اس اُمت کی طرف اُس اُمت کا مصلح بنا کر مبعوث کیا جاتا ہے تو جیسے مریض کو اپنے طبیب کا علم ہونا ضروری اور مفید ہے اسیطرح یہ بھی ظاہر ہے کہ اُمت کو اپنے وقت کے مجدد کا علم ہونا بھی اس اُمت کی غایت درجہ خوش قسمتی اور خوش نصیبی ہے اور علامات و دلائل کا موضوع[۱] یہی ہے کہ اُن سے حقائق[۲] اشیاء کا علم حاصل ہو لہٰذا مجدد کے لئے بھی کچھ علامات مقرر کئے گئے ہیں تاکہ اُمت کو اس کے متعلق علم و معرفت میں سہولت ہو لہٰذا مجدد کی علامت کے متعلق محی السنۃ حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا مولوی قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ کا ایک ملفوظ شریف نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں جو حضرت خسرو زماں حضرت مولانا عزیز الحسن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقل فرمایا ہوا ہے

۱؎ غرض۔

۲؎ کہ اصلی بات کا پتہ چلے۔

ملاحظہ ہو تمہید حصہ سوم دعوت عبدیت (۳۶)

وہ ملفوظ یہ ہے

ایک بار احقر نے عرض کیا کہ کسی کا مجدد ہونا رائے سے معلوم ہو جاتا ہے فرمایا کہ جی رائے سے کیا معلوم ہوتا اُس کی علامات[1] ہین مجدد شروع صدی میں ہوتا ہے مطلب یہ کہ فیض اتم اُس کا صدی کے شروع میں ظاہر ہو گو وہ پہلی صدی میں پیدا ہوا ہو اور اُس کے کلام میں اثر ہوتا ہے اُسکو وہ بات سوجھتی ہے جو اُس کے بڑے بڑوں کو نہیں سوجھتی وہ ہر جزو دین میں اصلاح کے لیئے دخل دیتا ہے مجدد کی شان انبیاء کی سی ہوتی ہے اُس سے جو بد اعتقاد ہوتا ہے وہ برکات باطنی سے محروم رہتا ہے پس مجدد کا منصب صرف اتنا ہے کہ لوگوں نے جو دین میں گڑبڑ اور کمی بیشی کر دی ہو اُس کو دُور کر کے یہ دکھا دے کہ دین کی اصلی صورت یہ ہے یہ ضروری نہیں کہ اُس سے خواہ مخواہ سب کی اصلاح ہی ہو جائے۔ منقول از ملفوظات مقالات حصہ سوم دعوت عبدیت۔

---

[1] قولہ علامات الخ یہ علامات الہامی ہین یا نصوص سے بھی ثابت ہین اس کا بیان آگے ملاحظہ ہو۔

تنبیہ ضروری

(۱) اس ملفوظ سے ثابت ہوا کہ بعض حضرات کا یہ شبہ کہ مجددیت کا مدار محض رائے اور تخمین پر ہے صحیح نہیں بلکہ مجدد کے لئے کچھ علامات مقرر ہیں جب تک وہ تمام علامات نہ پائیں جاویں اُسکو مجدد کامل مطلق نہیں کہہ سکتے پس اگر کسی کو بوجہ اس کے کہ وہ دقت نظر[1] حاصل نہیں جو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کو حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اسوجہ سے اُسکو مجدد کے اُن علامات کا احاطہ نہ ہوسکا جو حضرت حکیم الامۃ نے بیان فرمائی ہیں اور اس وجہ سے اس نے باوجود نہ پائے جانے کل علامات کے یا بعض علامات کے محض تخمین اور رائے سے اپنی مجددیت کا دعویٰ کردیا تو کیا اس سے یہ لازم آگیا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے بھی محض اپنی رائے اور تخمین سے اپنے آپ کو مجدد سمجھ لیا ہوگا۔ ہرگز نہیں۔

اگر کہیں حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے ارشادات میں مجددیت کے مسئلہ کے متعلق ظن یا احتمال کا لفظ دیکھا جائے تو شبہ

---

[1] اعلیٰ درجہ کا فہم

نہ کیا جاوے کیونکہ ظن یا احتمال کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو غیر ناشی[1]
عن الدلیل ہو اور دوسرے وہ جو ناشی[2] عن الدلیل ہے۔ وہ ظن جو
ناشی عن الدلیل ہے وہ عند اللہ تعالیٰ و عند الشرع معتبر ہے
اور یہاں ظن نہ احتمال سے وہی مراد ہے جو ناشی عن الدلیل ہے
خلاصہ یہ کہ کسی مجدد کا مجدد ہونا نہ تو قطعیات پر موقوف ہے اور نہ
اس کا منشا محض رائے اور تخمین ہے بلکہ کسی مجدد کے مجدد ہونے
کا مدار دلائل اور علامات پر ہے چنانچہ کسی کے مجدد ہونے کا
مدار رائے پر نہ ہونا یہ حکیم الامت قدس سرہ کے ملفوظ سابق[3] الذکر
سے صراحتاً ثابت ہوگیا اور بجائے رائے کے کسی کے مجدد
ہونے کا مدار دلائل پر ہونا گو وہ دلائل ظنیہ ہوں یہ اس ملفوظ نمبری
تین سو اکہتر سے ثابت ہے۔ جو ذیل میں مذکور ہے۔

ملفوظ نمبر ۳۷۱ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا مجدد

---

[1] وہ ظن جو شرعاً معتبر قرار نہیں دیا جاتا۔
[2] وہ ظن جو شرعاً معتبر قرار دیا جاتا ہے۔
[3] مذکورہ بالا ملفوظ سے صاف صاف ثابت ہوگیا۔ ۱۲

کا مجدد ہونا کس دلیل قطعی سے معلوم ہوتا ہے فرمایا نہیں بلکہ دلائل ظنیہ سے چنانچہ اب تک جتنے مجدد ہوئے ہیں انکے مجدد ہونیکا علم دلائل ظنیہ یعنی علامات و آثار ہی سے حاصل ہُوا ہے الی قولہ پیران صاحب نے دریافت کیا کہ کیا مجدد الف کا رتبہ مجدد مائۃ سے بڑھ کر ہوتا ہے فرمایا اس کی کوئی دلیل نہیں۔ الخ

ملفوظات حصہ ہفتم ص۴۶ رسالہ المبلغ ۱۲ ج ۱۳ بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ پس اگر کوئی یوں دعویٰ کرے کہ مجھ کو حضرت امام ابو حنیفہ کے جنتی ہونے میں کوئی شک نہیں اور حضرت غوث اعظم کے ولی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں تو اس پر کوئی نکیر نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی یوں دعویٰ کرے کہ مجھ کو حضرت محی السنتہ حکیم الامت کے مجدد ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں تو اس پر بھی شرعاً کسی کو حق نہ ہوگا کہ وہ نکیر کر سکے۔ کیونکہ ظن کی حیثیت سے تینوں مسائل ایک ہی صف میں قائم نظر آرہے ہیں۔ اور راز ایسے الفاظ اور عنوانات کا یہ ہے کہ عارفین جب کہ مقام[1] نزول میں ہوتے ہیں (جو حسبِ ارشاد محققین مقام عروج سے

---

[1] نزول اور عروج اولیاء اللہ کے بعض خاص حالات کا نام ہے ۔۱۲

افضل ہے، تو بوجہ غلبہ عبدیت اور فنا اُنکی زبان سے اپنی ذات کے متعلق وہ عنوانات[۱] و تعبیرات نکلتے ہیں کہ جو سرتاسر عبدیت و فنا میں غرق ہوتے ہیں بلکہ سچ پوچھئے تو جبتک اُنکو ایسے الفاظ کا زبان سے نکالے کام نہیں ہوتا تو ایسے الفاظ کا بھی اُنکو اپنی زبان سے نکالنا گراں گذرتا ہے پس اُنکا تو یہ مذاق[۲] ہوتا ہے کہ ؎ باوجودت زمن آواز نیاید کہ منم بلکہ محبوب کے سامنے اپنے وجود کا ذکر بھی گوارا نہیں کرتے اور یوں کہتے ہیں ؎

بگفتا مبر نام من پیش دوست ٭ کہ حیف ست نام من آنجا کہ اوست

بلکہ بعض اوقات اپنی تعریف تو درکنار اپنے محبوب حقیقی کی تعریف کو بھی خلاف ادب تصور کر کر خاموش ہو جاتے ہیں ؎

کذا قال العارف الرومی

خود ثنا گفتن زمن ترکِ ثناست

کہ ایں دلیلِ ہستی و ہستی خطاست

مادحِ خورشید مداحِ خود است[۳]

کہ دو چشمم روشن و نامرمد ست (صحیح ۱۲)

---

[۱] یعنی ایسے ایسے الفاظ۔ بلکہ [۲] حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ نے جہاں اِسکا اظہار فرمایا ہے کہ مجدد کو اپنے مجدد ہونے کا علم ہوتا ہے وہاں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مجدد کو مجدد ہونیکا دعویٰ نہیں چاہیئے اور اُسکی وجہ بھی ارشاد فرمائی ہے کہ کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور حسن خاتمہ سوائے پیغمبروں کے کسی کا یقینی نہیں (ملاحظہ ہو مقالات حکمت (۳۶) دعوت عبدیت حصہ سوم۔) [۲] محبوب کے حُسن کی تعریف گویا اپنی تعریف ہے [۳] آفتاب کی تعریف اپنی آنکھوں کی روشنی و صحت کا دعویٰ ہے

پس ان حضرات کے کلام کے اندر کمال کا دعویٰ ڈھونڈنا ایسا ہی ہے جیسے کشتہ طلا کے اندر سونے کے ذرات کی تلاش

(۲) اس ملفوظ سے صراحتاً[1] ثابت ہے کہ مجدد گو پیدا آخر صدی میں ہو مگر اُس کی بعثت[2] شروع صدی میں ہوتی ہے لہذا بعض حضرات کا یہ خیال کہ رأس کا ترجمہ محض ابتداء سے کرنا صحیح نہیں ہے ہمارے اوپر حجت نہیں کیونکہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے ملفوظ مذکورہ بالا میں صراحتاً ارشاد ہے کہ مجدد شروع صدی میں ہوتا ہے۔

(۳) اس ملفوظ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دین کے کسی خاص شعبہ میں تجدید علامات مجدد سے نہیں بلکہ مجدد وہ ہوتا ہے جو دین کے ہر ہر جزو کی تجدید کرے اور حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے جابجا خصوصاً اپنے رسالہ تعلیم الدین اور حقوق العلم کے شروع میں اس کی تصریح فرمائی ہے کہ دین کے کل اجزاء شمار میں پانچ ہیں۔

اوّل عقائد۔ دوم عبادات۔ سوم معاشرت۔ چہارم معاملات پنجم اخلاق باطنہ۔

پس ثابت ہوا کہ مجدد کی علامت صرف یہ نہیں کہ وہ دین کے بعض اجزاء میں اصلاحی دخل دے اور بعض میں نہ دے بلکہ مجدّد

---

[1] صاف صاف — [2] اُس کا کامل فیض جاری ہونا۔

ہونے کی علامت یہ ہے کہ اُس کا اصلاحی دخل اِن پانچوں مذکورہ بالا یعنی عقائد و عبادات و معاشرت و معاملات اخلاق باطنہ میں سے ہر ایک جزء کے اندر ہو۔

غرضیکہ مجدد ہونے کے لئے مطلق دین کی تجدید[1] کافی نہیں ہے بلکہ تجدید دینِ مطلق[2] کی ضرورت ہے بلا تجدید دینِ مطلق گو اُس کو لغتاً مجدد کہہ سکیں مگر مجدد مبعوث من اللہ تعالیٰ کا اطلاق اُس پر نہ ہوگا فافہم وتدبر۔

---

[1] گو اس کے اندر بعض نے اختلاف کیا ہے مگر حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی تصریح جو ملفوظ مذکورہ بالا میں پیش کیگئی ہے اور جبکہ حدیث سے بھی وہی ثابت ہوتی ہے جسکے اثبات کی تقریر آئندہ مذکور ہے) ہمارے اطمینان کے لئے کافی ہے ۱۲۔

تشریح[2] مقام برائے حضرات عوام

یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ہم نے دین کے کسی ایک ہی حکم کے خلاف نہیں کیا بلکہ ہم نے اپنے عقیدوں میں بھی گڑبڑ کر رکھی ہے۔ بہت سے ایسے عقیدے بھی ہمارے ہاں جو شریعت کے خلاف ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر پورا پورا یقین اور ایمان اور ایمان نہیں۔ بقیہ

نیز حدیث سے بھی یہی ثابت ہے جیسا کہ علامات کے بیان میں آگے چلکر اس کو عرض کیا گیا ہے۔

(۴) اس ملفوظ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو شخص اُس مجدد سے بد اعتقاد ہوتا ہے وہ برکات باطنی سے محروم ہو جاتا ہے انتہیٰ

(بقیہ حاشیہ صـ۲۵) یہ عقیدہ دل کے اندر جم گیا ہے کہ اگر ہم نے اسلامی احکام کی پابندی کی تو ہم دنیا کی ترقی نہیں کر سکتے جہاد کو ایک خونریزی اور تہذیب و تمدن کیخلاف تصور کرتے ہیں۔

ہم اپنے خالق کی عبادات کے اندر بھی بہت کوتاہی کر رہے ہیں۔ نماز کا ہم کو خیال نہیں روزہ کی ہم کو پرواہ نہیں حج کی ہمکو ہمت نہیں زکوٰۃ کی ادائیگی کی ہمکو نوبت نہیں آتی جہاد کے نام ہی سے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

طرز معاشرت۔ وہ اختیار کر رکھا ہے کہ ایک مسلمان جب نظر پڑتا ہے تو کبھی تو شبہ ہوتا ہے کہ یہ ہندو ہے اور کبھی شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہ عیسائی ہے ہر قوم اپنی وضع کی سختی سے پابند ہے مگر مسلمانوں کے یہاں اپنی اسلامی وضع کی پابندی تو کیا ہوتی کوئی وقعت بھی نہیں۔ (باقی حاشیہ صـ۲۷ پر)

اور ظاہر ہے کہ کسی مجدد کو اسکے اظہارِ حقیقت مجددیت میں بلا عذر شرعی جھوٹا سمجھنا اُس مجدد سے بد اعتقاد ہو جانا ہے۔ لہٰذا یہ بھی موجب حرماں از برکات باطنی ہوگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶) معاملات[۴] خرید و فروخت تجارت زراعت کے اندر احکام شرعیہ کی ہم مخالفت کر رہے ہیں سودی لین دین شیر مادر کی طرح ہو رہا ہے۔

تصوف[۵] اور درویشی کی تو ہمنے ایسی صورت بگاڑی ہے کہ بالکل مسخ ہی کر دیا ہے جو بات جتنی زیادہ اللہ و رسول کی مرضی کیخلاف ہوگی موجودہ زمانہ کے تصوف کے اندر اُس کو اتنا ہی بڑا درجہ حاصل ہوگا۔ تو مجدد کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمارے عقائد ہماری عبادت ہمارا طرز معاشرت ہمارے معاملات ہمارا تصوف غرضیکہ ہماری تمام حالتوں کی اصلاح کی طرف توجہ کرتا ہے اور مجدد مبعوث من اللہ تعالے جسکا حدیث میں ذکر ہے وہ وہی ہوتا ہے کہ جو مسلمانوں کے تمام حالات کی اصلاح کی طرف کامل توجہ کرے اگر کسی بزرگ نے مسلمانوں کے صرف بعض حالات کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی تو گو اُن کو لغتاً مجدد کہہ دیں مگر مجدد (باقی حاشیہ صفحہ ۲۸ پر)

ایک ضروری سوال ور اُس کا جواب

مجدد کے اندر تمام علامات مجدد کا مجتمع ہونا ضروری ہے یا یہ کہ اگر کسی شخص کے اندر اُن علامات میں سے ایک ہی علامت پائی جاوے تو وہ بھی مجدد ہے۔

(بقیہ حاشیہ عـ۲۷) مبعوث من اللہ تعالےٰ اُن کو نہیں کہہ سکتے جس کا ذکر حدیث میں ہے۔ چنانچہ یہ خصوصیت اس زمانہ میں جس بزرگ کو بفضلہٖ تعالےٰ حاصل ہے اُن کا نام نامی اور اسم گرامی ہم سے نے آ گے چلکر اچھی طرح ظاہر کردیا ہے جن کی شان تجدید کا یہ عالم ہے کہ مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کے اندر اُن کی تصانیف موجود ہیں۔ مسلمانوں کی عبادات کی اصلاح کے اندر اُن کی تصانیف موجود ہیں۔ مسلمانوں کی معاشرت اور تمدن کی اصلاح کے اندر اُن کی تصانیف موجود ہیں۔ مسلمانوں کے معاملات وسیاست کے متعلق اُن کی تصانیف موجود ہیں۔ مسلمانوں کے اخلاق اور تصوف کی اصلاح کے متعلق اُن کی تصانیف موجود ہیں اور ہر باب کی اصلاح کوئی معمولی درجہ کی نہیں بلکہ حد تجدید تک پہنچادی گئی ہے غرضیکہ اُس بندہ خدا نے اپنی تعدادی چھ سو چونسٹھ (باقی حاشیہ ص۲۹)

جواب

مجدد مبعوث من اللہ تعالیٰ وہ ہوتا ہے کہ جس کے اندر وہ
تمام علامات جمع ہوں کہ جو ایک مجدد کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔ ظاہر
ملفوظ مذکورہ بالا منقولہ از مقالات دعوات عبدیت، حصہ سوم
بدظاہر حدیث صحیح مرفوع ابی ہریرہؓ مذکورہ بالا اسی پر دال ہیں۔
احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس کی تحقیق کہ یہ علامات
من الملہمات ہیں یا مستنبط من النصوص[1] اور وہ نصوص اور ماخذ
کون سے ہیں اس کی تحقیق اگر ضروری بھی ہو تب بھی یہ کام چونکہ

بقیہ ص۲۸) کتابوں کے اندر پورے دین کی تجدید کر کے مسلمانوں کے
سامنے رکھدی ہے اگر اُس بزرگ کی دوسری باقیات صالحات کو نہ دیکھیں
صرف ان کتابوں ہی کا مطالعہ کریں تو روز روشن کیطرح ثابت ہو جائے گا
کہ اس بندۂ خدا نے ایک صدی کا نہیں بلکہ صدیوں تک کے لئے دین
کی حفاظت کا سامان کرنیکے بعد دُنیا کو خیر باد کہا ہے۔

[1] یعنی یہ علامات جو مجدد کے بیان ہوئے ہیں آیا قرآن حدیث سے معلوم ہوئے ہیں یا الہام
غیبی سے ان کا علم ہوا ہے اور اگر قرآن یا حدیث سے معلوم ہوئے ہیں تو وہ آیت یا حدیث کیا ہے اور کونسی ہے۔
[2] تشریح مقام برائے حضرات عوام ص۶۶ پر ملاحظہ ہو۔

اہل علم کا ہے اُس کی تحقیق کا اہل علم ہی کو مستحق سمجھتا ہوں البتہ اِن علامات
میں سے بعض وہ خاص علامات جو خود اس حدیث صحیح ابی ہریرہ سے
ثابت ہو رہے ہیں اُنکو احقر بھی ہدیۂ ناظرین کرتا ہے۔

منجملہ اُن علامات کے ایک یہ علامت بیان فرمائی گئی ہے

کہ:۔

اس کا فیض اتم[1] شروع صدی میں ہوتا ہے تو اُس کی دلیل
اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔ ان اللہ یبعث الی قولہ علی راس
کل مائۃ الخ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے راس مائۃ یعنی صدی
کے شروع حصہ کو اس مجدد کی ولادت[2] اور خلق کا زمانہ نہیں ارشاد
فرمایا بلکہ اسکی بعثت[3] کا زمانہ فرمایا ہے خواہ وہ پیدا اُس سے قبل ہو
ہو اور بعثت کا مقتضاء[4] افاضۂ[5] اتم ہی ہے اس لئے اس کا فیض

---

[1] یعنی اُس مجدد کا کامل فیض
[2] خلق پیدائش
[3] بھیجا جانا — [4] تقاضہ
[5] فیض کامل ہی ہے نہ کہ فیض ناقص۔

بھی شروع صدی میں ہو جاتا ہے لہٰذا مجدد کی علامت اسکا شروع صدی میں پیدا ہونا نہیں ہوا بلکہ شروع صدی میں اس کے فیض کا اتم[1] ہو جانا ہوا۔

منجملہ اُن بڑی علامتوں کے دوسری علامت یہ ارشاد ہے کہ:۔

وہ دین کے ہر ہر جزء میں دخل دیتا ہے یہ علامت بھی اس حدیث صحیح ابوہریرہ سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث میں ارشاد ہے من یجدد لھا دینھا پس دین یہاں مطلق ہے اور اصول کا قاعدہ ہے المطلق اذا اطلق یراد بہ فرد الکامل اسلئے دین کامل مراد ہوگا یعنی دین کے کل اجزا کے اندر اصلاح کے لئے دخل دینا مراد ہوگا۔ اور دین کے اجزاء پانچ ہیں۔ عقاید۔ عبادات۔ معاشرت۔ معاملات۔ اخلاق۔ ان پانچوں اجزا کے مجموعہ کا نام دین کامل اور اسلام کامل ہے۔ جیسا اوپر عرض کردیا گیا

پس خلاصہ حدیث یہ ہوا کہ مجدد عقائد عبادات معاشرت معاملات، اخلاق ان پانچوں اجزا کی ایسی اصلاح کرتا ہے کہ اس کی

---

[1] فیض کا کامل ہوجانا۔

تجدید ہو جاتی ہے جو اصلاح کا اعلیٰ درجہ ہے

پس دوسری بڑی علامت مجدد کی حدیث صحیح سے ثابت ہے

یہ ہوتی ہے کہ :- وہ پانچوں اجزار کی اصلاح تا بحد تجدید کرتا ہے۔

اور تیسری علامت منجملہ اُن کے یہ ہے۔

کہ :- اُس کو وہ بات سوجھتی ہے جو اُس کے بڑوں کو نہیں

سوجھتی۔ انتہیٰ

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جہاں

تک اسکی بعثت کے زمانہ میں اس مفید بات کی طرف جہاں تک

اُس کی نگاہ پہنچتی ہے دوسروں کی نہیں پہنچتی حتّیٰ کہ اگر اُس کے

اُسی صدی کے اکابر بھی موجود ہوں تو اُنکی نگاہ بھی وہاں تک

نہیں پہنچتی۔ یہ ہے وہ تیسری علامت کہ یہ بھی اُسی حدیث صحیح

سے ثابت ہوتی ہے۔

کیونکہ حدیث میں صراحتاً[1] ہے کہ وہ مجدد دین کی تجدید کرتا ہے

---

[1] صاف صاف

اور ظاہر ہے کہ تجدید نام ہے اصلاح کے اعلیٰ درجہ کا
یعنی اصلاح کا ایک تو ادنیٰ درجہ ہے کہ شئے کے اندر جو نقائص پیدا
کر دیئے گئے ہیں وہ تو بحالہ[1] باقی رہیں مگر شئی ہلاکت اور فنا ہونے
سے محفوظ رہے اور اصلاح کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ہلاکت سے بھی
محفوظ رہے۔ اور وہ نقائص بھی دور ہو جائیں اور وہی خوبی اور
تازگی پیدا ہو جائے جو پہلے تھی۔ یہ اصلاح کا اعلیٰ اور انتہائی درجہ
ہے۔ اسی کا نام تجدید ہے اور یہ تجدید ظاہر ہے کہ ایک عمل
ہے اور ہر عمل موقوف ہے علم پر۔
پس جب ادنیٰ درجہ کا عمل موقوف ہے ادنیٰ درجہ کے علم پر تو اعلیٰ درجہ کا عمل
موقوف ہوگا اعلیٰ درجہ[2] کے علم پر۔ پس اس حدیث سے مجدد کے لئے

---

[1] اپنی حالت پر

---

[2] یہ مسئلہ عقلاً تو ثابت تھا ہی لیکن حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی دقیقہ رس نگاہ نے
قرآن سے بھی اس مسئلہ کو ڈھونڈ نکالا ہے کہ قوت عمل موقوف ہے قوت علم پر
اور آپ نے اس کو دو آیتوں سے ثابت فرمایا ہے دیکھو وعظ التبلیغ الاکرمیہ بالعلمیہ
والاعلیہ رسالہ المبلغ ص ۱۱۹ ع ۲ جلد چہارم ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ

علم کا اعلیٰ درجہ ثابت ہوا اور اعلمیت[1] کے لئے ابصریت[2] لازم عادی ہے۔ پس مجدد[3] کی نظر بصیرت کا اعلیٰ ہونا یہ علامت بھی مجدد کی اس حدیث صحیح سے ثابت ہوگئی۔

منجملہ ان علامات کے ایک علامت یہ ہے کہ اس مجدد کے کلام میں اثر ہوتا ہے احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ ادنیٰ عاقل بھی اسکو جانتا ہے کہ ہمکو اپنے کسی خادم سے اپنا کوئی کام انجام دلانا منظور ہوتا ہے اور ہمارا مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ کام اسی کے ہاتھوں انجام پائے تو لازم عادی ہے کہ بوقت ضرورت اس کی امداد بھی کرتے ہیں پس حق سبحانہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ شفیق ہیں ان کی شان میں یہ بدگمانی کیونکہ جائز ہو سکتی ہے۔ کہ وہ کسی

---

[1] انتہا درجہ کا علم
[2] انتہا درجہ کی تیز نظری

[3] تشریح مقام برائے حضرات عوام
یہ ہے کہ تجدید نام ہے اعلیٰ درجہ کی اصلاح کا اور اعلیٰ درجہ کی اصلاح وہی کر سکتا ہے جسکو اعلیٰ درجہ کا علم ہو اور جسکو علم کی روشنی اعلیٰ درجہ کی نصیب ہوگی اسکو یہ بات بھی حاصل ہو جائیگی کہ اسکو وہ بات سوجھے گی اور نظر آجائیگی جو دوسرے دل نہیں سوجھ سکتی اور نظر آسکتی پس مجدد کو چونکہ علم کی روشنی اعلیٰ درجہ کی عطا ہوتی ہے اسلئے اسکو وہ بات سوجھتی ہے جو دوسرے دل کو نہیں سوجھتی۔
[4] جو بات کہ عام طور پر ضروری ہوتی ہے۔

اپنے بندہ سے اپنا کام انجام دلانا چاہیں اور بوقت حاجت اس کی امداد نہ فرمائیں پس جو شخص مبعوث من اللہ تعالیٰ ہوتا ہے وہ مویدمن[۱] اللہ تعالیٰ بھی ہوتا ہے خواہ وہ تائید[۲] کسی صورت سے ہو اور اور دلیل اس کی وہ حدیث صحیح ہے کہ جو التشرف حصہ سوم ص $\frac{۲۳}{۲۸۳}$ تحت عنوان القاء الھیبۃ والمحبۃ علیٰ اھل اللہ حضرت محی السنۃ حکیم الامت مجدد الملت نے بیان فرمائی ہے ما نصہ ان اللہ تعالیٰ اذا اراد ان یخلق خلقًا للخلافۃ مسح ید ہ علےٰ ناصیتہ فلا تقع عین الا احبتہ (ک) اسے للحاکم ۱۲

اللہ تعالیٰ جب کسی مخلوق کو خلافت کے لئے پیدا کرنا چاہتا ہے تو اپنا ہاتھ اس کے ناصیہ[۳] پر پھیر دیتا ہے۔ تو اس شخص پر کوئی آنکھ نہیں پڑتی مگر اس شخص سے محبت کرتی ہے (ف) اس کی تحت میں حضرت حکیم الامت ارشاد فرماتے ہیں ۱۲) خلیفہ وہ شخص ہے جو لوگوں کی سیاست یعنی ان کی معاش و[۴] معاد کی

---

[۱] یعنی غیب سے اس کو مدد ہوتی ہے۔

[۲] مدد غیبی - [۳] پیشانی

[۴] یعنی دینی اور دنیوی اصلاح۔

اصلاح کی خدمت کرے خواہ حکومت کے ساتھ اور اکثر احادیث
میں خلیفہ کے یہی معنے آئے ہیں اور یا بدوں حکومت کے جیسے علماؤ
مشائخ ہیں اور قرآن میں خلیفہ کے یہ معنے آئے ہیں اور
آیت انی جاعل فی الارض خلیفہ میں یہی معنے ہیں اور اس
معنے میں تمام انبیاء کو داخل کیا گیا ہے حالانکہ بعض انبیاء
امرا نہ تھے اور حدیث میں دونوں معنے کا احتمال ہے اسی وجہ
سے عزیزی نے (بمعنے امراء لے کر یہ) کہا ہے کہ اس پر
ہیبت اور قبول کا القاء فرماتے ہیں تاکہ وہ اپنے احکام جاری
کر سکے اور اس کا کہنا سنا جاوے اور جب خلق کو اس
سے محبت ہو گی۔ اس کے لئے لازم ہے کہ اس کا کہنا مانا جاوے
اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچا جاوے گا۔ اور اس کی
ہیبت قلوب میں جمی رہے گی (پس عزیزی نے سلاطین مراد
لئے ہیں) اور حفنی نے کہا ہے کہ مراد خلیفہ سے وہ شخص ہے
کہ جس کو اللہ تعالےٰ نے (ارشاد خلق کے لئے) منتخب کر لیا اور
اس کو خلق کا ہادی بنایا ہو۔ آگے کہا ہے کہ خلیفہ حکومت مراد
نہیں۔ جیسا کہ بعض کو شبہ ہو گیا ہے انتہیٰ اس کے بعد حضرت
حکیم الامت قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اگر حدیث

میں خلیفۂ حکومت ہی مراد لیا جاوے اور اس پر (خاص حکام میں) خلیفۂ ارشاد کو قیاس کر لیا جاوے۔ بوجہ مشترک ہونے علت کے اور وہ علت لوگوں کو (دینی) نفع پہنچانا ہے تب بھی مقصود حاصل ہو جائے گا اور وہ مقصود حکم کا عام ہونا ہے (یعنی اس شخص کا صاحب ہیبت ہونا) اور اس قسم کی ہیبت مشاہدہ سے مشترک ہے سلاطین میں اور ان اہل اللہ مساکین میں (کہ اکثر اوقات سلاطین کی ہمت بزرگوں کے سامنے بولنے کی نہیں ہوتی اور یہی ہیبت وہ چیز ہے جس کو سلطان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس آیت میں جو موسیٰ علیہ السلام کو ان کے بھائی کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ہم[1] ابھی تمہارا بازو تمہارے بھائی سے قوی کئے دیتے ہیں اور ہم دونوں بھائیوں کے لئے ایک رعب دیں گے (اس رعب کا یہ اثر ہوا کہ فرعون جیسا متکبر ان سے دب گیا جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے انتہی (التشرف حصہ سوم ص ۳۳ / ۸۴)

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس حدیث سے نہ صرف یہ ثابت ہوا کہ تائید ہوتی ہے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ تائید

---

[1] قولہ تعالیٰ سنشد عضدک باخیک ونجعل لکما سلطانا الآیۃ (پارہ بستم)

بذریعۂ ہیبت اور قبول ہوتی ہے۔ گو اس صورت کے اندر
تائید کا انحصار[1] نہ ہو۔ اور اس ہیبت اور قبول کے لئے کلام
میں اثر ہونا لازمی ہے۔ پس وہ اثر بھی دلالت[2] التزامی کے طور
پر اس حدیث کا مدلول ہوا۔ نیز یہ بھی مفہوم ہوا کہ اس ہیبت
اور قبول کا سبب خدمت اصلاح ہے پس جس سے جس
درجہ خدمت اصلاح لی جاتی ہے اسی قدر اس کو ہیبت و
قبول عطا ہوتا ہے۔ اور حدیث ابی ہریرہ مذکورہ بالا میں مصرح[3]
ہے کہ مجدد سے تجدید دین کی خدمت لی جاتی ہے اور
تجدید دین اعلیٰ درجہ ہے خدمت دین کا جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا
چکا ہے لہذا ہیبت اور قبول بھی مجدد کے لئے اعلیٰ درجہ کا ثابت[4] ہوا

---

[1] یعنی یہ بات نہیں کہ تائید صرف اُس ہی صورت میں ہوتی ہے

[2] یہ نام ہے ایک خاص طریقہ کا کہ شرعی قانون میں جس طریقہ سے کوئی
بات قرآن و حدیث سے ثابت کی جاتی ہے۔

[3] صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔

[4] اور چونکہ کامیابی کا دار و مدار تائید پر ہے اور اسکا ثابت ہونا مجدد کیلئے خاص طور پر معلوم
ہو چکا ہے اسلئے مجدد کی تجاویز جتنی توقع ہو سکتی ہے کامیابی کی اُمت موجودہ کے اندر مجدد کے

جس کے لئے اس کے کلام میں اثر کا ایک مخصوص اور ممتاز درجہ لازم ٹھہرا جو اسکے مجدد ہونیکی علامت بن سکے لہذا اس حدیث سے مجدد کے کلام میں اثر ہونا بھی اس کی علامت میں سے ثابت ہوا۔ اور سب سے زیادہ ایسی ہیبت اور قبول کے ذریعہ سے انبیا علیہ السلام کی تائید ہوتی ہے۔

اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ مؤید من اللہ تعالیٰ کے لئے بظاہر کامیاب ہونا ضروری ہے پھر کیا وجہ کہ انبیا علیہ السلام بھی بعض مواقع میں ناکامیاب رہے۔ چنانچہ سردار انبیاؑ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام کے لئے مامور و مبعوث تھے۔ چنانچہ آپ نے عامۃ الناس کو تبلیغ فرمائی مگر بعض مواقع میں بالکل ناکامیابی رہی۔ چنانچہ حضرت ابو طالب کے متعلق آپ نے کتنی سعی بلیغ فرمائی۔ مگر وہ اسلام نہ لائے تو جواب یہ ہے کہ جہاں حق سبحانہٗ تعالیٰ کے علم ازلی میں یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ تبلیغ کے بعد ایمان لے آویں گے وہاں تو مقصود ان کی ہدایت ہوتی ہے۔ اور جہاں علم ازلی میں یہ ہوتا ہے کہ تبلیغ کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے۔ تو وہاں مقصود اتمام حجت ہوتا ہے۔ جو نفس سعی اور تبلیغ سے حاصل ہو جاتا ہے ورنہ ناکامیابی کہتے ہیں۔ مقصود

حاصل نہ ہونے کو جب تبلیغ سے جو مقصود تھا۔ یعنی اتمام حجت وہ حاصل ہو گیا تو ناکامیابی کہاں رہی۔

منجملہ ان بعض خاص علامات کے جو حدیث صحیح مرفوع ابی ہریرہ مذکورہ بالا سے ثابت ہوتی ہیں۔ ایک علامت مجدد کی یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اس کی شان انبیاء کی سی ہوتی ہے۔ انتہیٰ

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اوپر حدیث صحیح مرفوع ابی ہریرہ سے مجدد کا تجدید دین کامل کے لئے مبعوث کیا جانا ثابت ہو چکا ہے۔ جس سے مجدد کے لئے دین کے ہر ہر جزو کے اندر اصلاحی دخل دینا لازم ہوا اور ظاہر ہے کہ نبی کے لائے ہوئے دین میں ایک امتی کو خواہ وہ امتی مجدد ہی کیوں نہ ہو اصلاحی دخل کا حق نبی کی نیابت ہی میں ہو سکتا ہے۔ اور حقیقی اور اصل مصلح دین کا تو نبی ہی کو بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ پس چونکہ نبی کو دین کامل کا مصلح بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ اس لئے نبی یہ دین کے ہر ہر جزو کے اندر اصلاحی دخل دینا بھی لازمی ہوتا ہے۔ اور یہی شان اوپر مجدد کی ثابت ہو چکی ہے۔ پس مجدد کی شان کا نبی کی شان کے مشابہ ہونا اس حدیث مرفوع ابی ہریرہ سے مستنبط[۱] ہو گیا اور ایک دوسری

---

[۱] ثابت

حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے جس حدیث[1] کی تخریج[2] التشرف

شطر ثانی یعنی ص ۱۴۳ پر فرمائی گئی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل اس حدیث میں انبیاء بنی اسرائیل کے ساتھ

علماء امت کی تشبیہ[3] کی وجہ ظاہر ہے کہ ان علماء امت کا کمال علمی و

عملی ہے یعنی علماء امت میں سے جو فرد جس درجہ علم و عمل میں کامل ہوگا

اسی قدر اس کو انبیاء بنی اسرائیل کے ساتھ اشبہیت کا درجہ حاصل

ہوگا۔ اور مجدد کا علم و عمل میں دوسروں سے اکمل ہونا تیسری علامت

کے بیان میں معلوم ہو چکا ہے پس ثابت ہوا کہ مجدد جیسا کہ علم و عمل

میں دوسرے علماء امت سے اکمل ہوتا ہے اسی طرح وہ درجہ

اشبہیت[4] میں بھی دوسرے علماء امت سے ممتاز ہوتا ہے۔ یعنی

---

[1] القول الشارح۔ حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل قلت انہ و

ان لم ینقل لفظاً لکنہ صحیح معنیً کما حققہ فی مقاصد الحسنہ۔

[2] تخریج یعنی حدیث کی سند کا بیان کرنا

[3] انبیاء کے مشابہ بتلانا

[4] یعنی انبیاء کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہوتا ہے مجدد۔

اشبیہت کے اس درجہ کے اندر دوسرے علماء امت اس کے شریک نہیں ہوتے - لہذا مجدد کی شان کا خصوصیت کے درجہ میں انبیا کے شان کے مشابہ ہونا اس دوسری حدیث سے بھی ثابت ہوگیا -

پس مجدد کی یہ علامت کہ اس کی شان انبیاء کی سی ہوتی ہے دو حدیثوں سے ثابت ہے (اول مرفوع صحیح ابی ہریرۃ سے دوسرے حدیث علماء امتی الخ سے ۱۲)

تعیّن مجدّد زمانہ[1]

یہ تو ظاہر ہے کہ جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ دن نکلا ہوا ہے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ آفتاب موجود ہے۔ اسی طرح جب حدیث سے ہر صدی کے لئے مجدد کا مبعوث ہونا ثابت ہے تو یہ سوال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہماری اس موجودہ صدی کا بھی کوئی مجدد ہے یا نہیں۔ البتہ اس مقام پر پہنچ کر یہ سوال لازمی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اس صدی کا مجدد کون ہے۔

سو واضح رہے کہ مجدد زمانہ کی تعیین میں غلطی ہونا اتنا مضر نہیں جتنا نبی زمانہ کی تعیین کے اندر غلطی ہونا۔ مگر باوجود اس کے نبی زمانہ کو مخلوق نے صرف دو ہی طریقوں سے پہچانا۔ یا تو اہل بصیرت کی تحقیق پر اعتماد کیا اور یا پھر علاماتِ نبوت کو خود تحقیق

---

[1] یعنی اسکا بیان کہ اس موجودہ صدی میں وہ کون بزرگ ہیں کہ جن کے اندر ایک مجدد کی ساری علامتیں جمع پائی جاتی ہیں۔

کیا۔ پس یہی دو طریقے مجدد زمانہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیئے
ہو سکتے ہیں۔ یا تو علامات مجدد کی خود تحقیق کرے اور جس کے اندر
ان سب کو علیٰ وجہ الاتم مجتمع دیکھے اس کو مجدد سمجھے۔ اور یا پھر دوسرا
طریقہ یہ ہے کہ اہل بصیرت نے اگر کسی اللہ کے بندہ کے متعلق اس کے اندر
علامات دیکھنے کے بعد یہ طے کر دیا ہو کہ یہی اس صدی کا مجدد
ہے ان کی تحقیق پر اعتماد کرے اور اپنی نظر تحقیق کو ان کی نظر کے
مقابلہ میں ہیچ در ہیچ سمجھے۔ خصوصاً جب کہ اپنی نظر کے ہیچ سمجھنے
کی کوئی معقول وجہ بھی موجود ہو۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جیسے
ہماری نظر کو آفتاب کے نور سے امداد ملتی ہے (چنانچہ یہی وجہ
ہے کہ گو آنکھیں کھلی ہوئی ہوں اور صحیح سالم ہوں پھر بھی تاریکی کے
اندر ہم کو نظر نہیں آتا) ان حضرات کی نظر بصیرت کو اللہ کے نور
کی مدد حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث ملاحظہ ہو۔ اتقوا فراسۃ المومن[1]
فانہ ینظر بنور اللہ پس جو فرق اللہ تعالیٰ کے نور اور آفتاب کی روشنی
میں ہے وہی فرق ہماری نظر اور ان کی نظر میں[2] ہوتا ہے۔ پس اس زمانہ کے

---

[1] قولہ المومن مراد یہ المومن الکامل الخ) معنے حدیث کے یہ ہیں کہ
[2] مقصود انکار نہیں اس حقیقت کا کہ ان کی بصارت کو بھی تو سورج کی روشنی کی احتیاج
ہے بلکہ اظہار ہے اس فرق کا کہ وہ خالق سے استفادہ کرتے ہیں اور ہم مخلوق سے

کثیر التعداد اولیا و اقطاب علماء و صلحا کا اس پر اتفاق ہے کہ موجودہ صدی کا مجدد حق تعالیٰ نے محی السنۃ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ مولوی محمد اشرف علی صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کو بنایا ہے اور اگر کوئی شخص خود ہی تحقیق پسند کرتا ہے تو قطع نظر ان خدمات کے کہ جو دین اور اہل دین کی حضرت حکیم الامت مجدد الملت فرما گئے ہیں کہ منجملہ ان خدمات کے ایک اہم خدمت اس جماعت خدام دین کا تیار کرنا ہی ہے کہ وہ بفضلہ تعالیٰ وہ جماعت صلاح و اصلاح کے اس درجہ پر فائز ہے کہ اس جماعت کے زمانہ میں اس سے بڑھ کر کوئی جماعت مصداق نہیں ہو سکتی حق تعالےٰ کی بشارت عظمیٰ واصطنعتک لنفسی[1] الآیۃ کا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس خوشخبری کا جو اس حدیث مذکورہ بالا میں ہے اور وہ یہ ہے عن معاویۃ[2] قال سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول لا یزال من امتی امۃ قائمۃ بامر اللہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذالک (متفق علیہ مشکوٰۃ ثواب ھذہ الامۃ) چنانچہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ اس جماعت کے متعلق تصریح فرماتے ہیں کہ اس جماعت میں سے ہر ایک فرد کو یہ درجہ حاصل ہے کہ اس کا نفع برابر ہے دس کتابوں

[1] میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا (پارہ ۱۶) [2] روایت ہے معاویہ سے کہا سنا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے ہمیشہ رہیگا امت میری سے ایک گروہ قائم ساتھ حکم اللہ کے نہیں ضرر کریگا ان کو یعنی ان کے دین وامر کو وہ شخص کہ ترک کرے مددگاری ان کی اور نہ وہ شخص کہ مخالفت کرے ان کی یعنی نہ موافقت کرے ان کے امر کی یہاں تک کہ آوے حکم خدا کا یعنی موت ان کی انقضاء عہد ان کا اور وہ اوپر اسی کار پہنچے کے ہونگے۔

کے (دیکھو سادستہ التابعہ یعنی تتمہ سابقہ تنبیہات وصیت کا ضمیمہ عاشرہ صـ ۳۲ رسالہ النور ذالحجہ ۵۱ ھ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر)

اوس جماعت کے ہر فرد کو بفضلہ تعالےٰ تعلق مع اللہ کی جو دولت حاصل ہے اگر کسی کو اوس کے عُشرِ عشیر کا بھی پتہ چلجائے تو بیساختہ وہ یوں کہیگا کہ ؎

ھم قوم ھمو مھم باللہ قد علقت + فما لھم ھمم تسمو الی احد
فمطلب القوم سیدھم ومولھم + فیا حسن مطلبھم للواحد الصمد

اگر اونکے اوس درجہ تک جو سیر فی اللہ کے اندر اونکو حاصل ہے کسی کی نظر کی رسائی ہوجائے تو اوسکو اون کی وہ شان نظر آئیگی۔ جس کو کسی محقق عارف نے اس طرح تعبیر فرمایا ہے ؎ اول ما آخرِ ما ہر منتہی × آخرِ ما جیب تمنا تہی۔

اس جماعت کا نزول بحمدہٖ تعالیٰ اِس درجہ کامل ہے کہ سید الطائفہ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشاد ما النہایۃ العود الی البدایۃ کا اس زمانہ میں یہ جماعت صحیح محل ہے۔ لیکن

اس[1] اشرفی نورتن کا ایک درخشاں ستارہ اپنی اس عالی مقامی کا اس طرح پتہ دے رہا ہے۔ ؎ ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی ٭ اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی
(حضرت مجذوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

اگر بفحوائے ولی را ولی میشناسد۔ عوام کی حیثیت سے اس خدمت
سے قطع نظر بھی کرلی جاوے تب بھی اسکے لئے حضرت حکیم الامۃ کی
باقیات صالحات میں سے چھ سو چھیاسٹھ دلائل تو صرف وہ کتابیں
ہیں جو حضرت حکیم امت نے تصنیف فرمائی ہیں ان میں سے ہر ایک
تصنیف کی یہ شان ہے کہ جب ان کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ان
کے اندر ان علامات کے (جو ایک مجدد کیلئے ثابت ہیں) اتنے ثبوت
ملتے ہیں کہ ان کا ایک سمندر موجیں مارتا ہوا معلوم پڑتا ہے اور ہر علامت
کی ہمارے حضرت کے اندر بفضلہ تعالیٰ یہی شان پائی جاتی ہے

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار ۔ گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

مثلاً مجدد ہونے کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ وہ شروع
صدی میں مبعوث ہوا ہو بلکہ اسکے ساتھ دوسری ان علامتوں کا
پایا جانا بھی جو اس حدیث سے ثابت ہوتی ہیں ضروری ہے۔
مثلاً دین کے اجزائے خمسہ میں سے ہر ہر جزء میں دخل دینا
یہ بھی مجدد کی ایک خاص علامت ہے۔

پس بفضلہ تعالےٰ شروع صدی میں بعثت [1] کے ساتھ
ساتھ یہ خاص علامت بھی ہمارے حضرت حکیم الامۃ قدس اللہ سرہ

---

[1] چنانچہ بفضلہ تعالیٰ موجودہ صدی کے اوائل میں آپکے فیوض درس تدریس مواعظ و ملفوظات ارشاد

کے اندر اس درجہ مشاہد ہے کہ اظہر من الشمس ہے آپ نے دین کے اندر صرف اصلاحی دخل ہی نہیں دیا بلکہ آپ نے دین کا احیاء کر دیا اس سے قبل یہی معلوم نہ تھا کہ دین ہے کیا شئے پس اس چودھویں صدی میں صرف عام مسلمان ہی نہیں بلکہ بعض خواص بھی دین کی صرف یہ حقیقت سمجھتے تھے۔ کہ وہ صرف نماز روزہ اور چند غیبی چیزیں کہ قیامت میں کیا کیا ہو گا بہشت میں حوریں ہیں اور دوزخ میں سانپ بچھو۔ اسی کا نام دین تھا۔ اور حقیقی دین کی صورت تو لوگوں نے خواب میں بھی نہ دیکھی تھی۔ یہ ہمارے حضرت حکیم الامت ہی کی ذات تھی کہ اس زمانہ میں آپ نے اس حقیقت کا اظہار فرمایا کہ وہ دین جس کو ہمارے حضور

(بقیہ حاشیہ صفحہ) تربیت سے خلق خدا کا مستفید ہونا ہزاروں نے مشاہدہ کیا اور وہ تصانیف جو اس وقت لکھی گئی ہیں۔ ان کی تاریخیں جو چاہیں دیکھ سکتا ہے ولادت باسعادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ بوقت صبح صادق ہے علوم کی تحصیل سے فراغت اور دستار بندی کے بعد ۱۳۰۱ھ میں آپ نے درس و تدریس علوم دینیہ شروع فرمائی تھی۔ یہاں تک کہ جب زمانہ سابقہ میں مشہور و معروف دیوبند کا جلسہ دستار بندی ہوا تو مدرسہ کی طرف سے آپ کے متعلق تمام عوام و خواص کے سامنے یوں کہا گیا کہ شعر سے ہمارے مدرسہ کی یہ بڑی نشانی ہے بہت ہینگے شیخ زماں اور ابھی جوانی ہے یہ سب شروع صدی موجودہ ہی کے تو واقعات ہیں جن کا ہزاروں لوگوں نے مشاہدہ کیا

پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے لئے لے کر آئے ہیں وہ مرکب ہے پانچ اجزاء سے اور نام ہے پانچ چیزوں کا عقائد۔ عبادات۔ معاشرت معاملات اخلاق۔ ان پانچوں اجزاء کے مجموعہ کا نام ہے دین اور اسلام۔

اور پھر ان اجزاء دین ہی میں سے ہر جز کی وہ خدمت کی کہ قدرت خدا نظر آتی ہے۔ احقر عاجز جاہل اجہل کیا کیا اور کہاں تک بیان کرے کہ اس کی قدرت سے باہر ہے نہ یہ مختصر رسالہ اس مقصد کے لئے موضوع ہے۔ البتہ مشتے نمونہ از خروارے ایک مسئلہ تقدیر ہی کو لے لیجئے کہ عقائد کے اندر مسئلہ تقدیر کیسا مشکل مسئلہ مشہور ہے۔ مگر ہمارے حضرت حکیم الامت نے ایسا حل فرمایا ہے کہ نقلی سے عقلی کر دیا ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کی بحث سے منع فرمایا ہے اس کی ایسی عجیب و غریب وجہ بیان فرمائی ہے کہ اس کو معلوم کر کے حیرت ہوتی ہے۔ چنانچہ جو آپ کی تصانیف کا مطالعہ کریگا اس حقیقت کا مشاہدہ کرے گا[1]

---

[1] جن صاحب کو اس توصیف پر مبالغہ کا شبہ ہو ان کو مناسب ہے کہ پہلے کم از کم حضرت حکیم الامتؒ کی بعض تصنیفات کے ان ہی مقامات کا مطالعہ کریں ص۳ تا ۶ جلد اول پارہ اول مکمل بیان القرآن مطبوعہ اشرف المطابع۔ باقی ص۵ پر

عبادات کے اندر سنئے مثلاً بطور نمونہ کے عرض ہے کہ عبادات کی روح خشوع خضوع ہے ہر شخص جانتا ہے۔ مگر مولانا صاحب ہوں یا شاہ صاحب نماز پڑھتے تھے مگر خشوع و خضوع سے قطعاً مس نہیں تھا۔ بلکہ ایک ایسی حقیقت کا نام خشوع و خضوع رکھ چھوڑا تھا کہ جس کی تردید خود آیت لا یکلف اللّٰہ نفساً الا وسعہا سے ہو رہی تھی یہ ہمارے حضرت حکیم الامت ہی کی ذات ہے کہ جس نے خشوع و خضوع کی اصل حقیقت کا اظہار فرمایا۔ معاشرت کے اندر جو رسالہ آپ نے تحریر فرمایا آداب المعاشرت کیا اس کی نظیر کسی دوسری جگہ کوئی دکھلا سکتا ہے

باب معاملات کی خدمت کا درجہ معلوم کرنے کے لئے تو بہشتی زیور صفائی معاملات ان دو کتابوں کا مطالعہ ہی کافی ہے خصوصاً باب معاملات کا وہ جزء جو ربوٰیات[۵] کے متعلق ہے اوسکی وہ تشریح فرمائی کہ اُسکی نظیر نہیں کیونکہ عوام کا تو ذکر ہی کیا خود علمائنے بھی شب و روز اعمال عبادات کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹) صفحہ ۹۵ بوادر النوادر لطیفہ ہائے غریبہ رسالہ طلیع البدر فی سطوع القدر امداد الفتاویٰ صفحہ ۹/۴۸۱ مندرجہ النور بابتہ ماہ رجب المرجب ۱۳۵۲ھ وانفاس عیسیٰ و حسن حکمت صفحہ ۳۹۴ بوادر۔

[۵] یعنی فقہ کا وہ حصہ جسکے اندر خرید و فروخت وغیرہ اور خصوصاً سودی لین دین سے بچنے کے احکام کا بیان ہے۔

اشتغال کار[1] و استحضار[2] میں مشغولی کو کافی سمجھ کر معاملات کو خصوصاً مسائل ربوٰ کو عملاً بالکل متروک کر دیا تھا۔ یہ ہمارے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی ہی حسنات کی جانکاہی اور تحریراً اور تقریراً تبلیغ احکام ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ عوام بھی جو دن رات اپنی دنیاوی کاروبار میں مشغول رہتے ہیں حضرت حکیم الامت کے فیوض سے مستفیض[3] ہو کر ان حقائق سے واقف ہو گئے جن سے علمائے فارغ التحصیل کے اذہان بھی خالی تھے چنانچہ مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ صوبہ متحدہ کے ایک مولانا صاحب فارغ التحصیل نے ایک مسلمان کی دکان سے اپنے صاحبزادہ کیلئے ایک گوٹے دار ٹوپی خریدنی چاہی (اور اس زمانہ میں روپیہ چاندی کا ہی رائج تھا۔ اور چاندی کا نرخ گراں تھا۔ ایک روپیہ کی روپیہ بھر نہ ملتی تھی) جس کی قیمت تقریباً ۱۰؍ تھی مولوی صاحب نے فرمایا کہ بھائی تو صہ اس وقت لے لو اور بقیہ شام تک پہنچ جائینگے اور ٹوپی لیکر واپسی کا ارادہ کیا دوکاندار نے جو ہمارے حضرت کے فیوض سے فیض یافتہ تھا عرض کیا کہ مولینا یہ تو جائز نہیں کیونکہ یہ ٹوپی آپ کو معلوم ہے سچے کام کی ہے اور آپ روپیہ سے خرید رہے ہیں لہذا یہاں ادھار کے اندر سود کا گناہ ہے مولینا صاحب نے جو یہ بات سنی تو کچھ دیر سوچ کر فرمایا کہ ہاں بھائی تم نے ٹھیک کہا اب ہماری سمجھ میں آیا کہ بیع صرف ہے اچھا تو تم ٹوپی اس وقت رکھو تو ہم شام کو پورے دام لاکر ٹوپی تم سے خرید لینگے دوکاندار نے

---

[1] تذکرہ — [2] دھیان اور خیال میں رہنا — [3] فیض حاصل کر کر

عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی صورت نہیں کہ آپ کا کام اسی وقت ہو جائے اور معصیت بھی لازم نہ آئے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ نہیں کوئی ایسی صورت نہیں۔ دوکاندار نے عرض کیا کہ حضرت میں عرض کرتا ہوں وہ صورت یہ ہے کہ بقیہ حصہ آپ مجھ سے قرض لے لیجئے اور ٹوپی کی کل قیمت ابھی ادا کر دیجئے۔ تو اس طرح یہ معاملہ بات درست ہو جائیگا۔ جو بیع صرف میں ضروری ہے ورنہ پھر سود کا گناہ ہوتا ہے۔ مولوی صاحب سنکر بہت خوش ہوئے۔ اور اس طریق سے ٹوپی کی کل قیمت ادا کر کے ٹوپی خرید کر واپس تشریف لے گئے۔ اب رہا یہ امر کہ ان احکام کی تعمیل کو شریعت نے کس درجہ اہم قرار دیا ہے۔ اس کیلئے وہ حدیث[1] کافی ہے جو تعلیم الدین میں حضرت حکیم الامت نے ایک اسی باب کے جزیہ کے ذکر میں روایت فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی غلطی سے ایک ایسے ہی معاملہ کا ارتکاب کر بیٹھے تھے تو حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے کہلا بھیجا کہ اگر تم نے اس معاملہ کو ختم نہ کیا تو یاد رکھو تمہارا وہ جہاد جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہے ضائع ہو جائیگا۔

---

[1] یہ حدیث تعلیم الدین کے حصہ معاملات و سیاسیات ص۳۵ حاشیہ ۲ میں درج ہے۔

قرآن کی حضرت حکیم الامت سے جو خدمت انجام دی وہ تو دنیا پر اظہر من الشمس ہے۔ لیکن حدیث شریف کی جو خدمت حضرت حکیم الامت سے حق تعالیٰ نے لی ہے اس کا مجملاً اور مختصراً کچھ حال عرض کرتا ہوں کہ احادیث سے جو حضرت حکیم الامت نے مسائل شرعیہ کا استنباط فرمایا ہے اس کا نمونہ یہ ہے کہ بعد حذف مکررات سات سو اسی مسائل تو صرف فن تصوف کے ایسے ہیں کہ جن کو حضرت حکیم الامت نے احادیث[1] سے استنباط فرمایا ہے

اور آپ نے جن احادیث کو روایت فرمایا ہے کہ ان میں سے بعض کی مقصوداً تخریج بھی فرمائی ہے تو ان احادیث میں سے حضرت نے احادیث جو حقیقۃ الطریقہ اور التشرف میں روایت فرمائی ہیں تو صرف ان احادیث کی تعداد جو احقر نے شمار کی تو تقریباً چار سو اکتر ہوتی ہیں۔ اور یہ تو احادیث مرویہ کی وہ تعداد ہے جو حضرت حکیم الامت کی صرف دو کتابوں کے اندر اور وہ بھی محض ایک فن یعنی فن تصوف کے متعلق ہی شمار کی گئی ہے اور ان دو کتب کے علاوہ حضرت حکیم الامت کی چھ سو چھ نسٹھ کتب

---

[1] دیکھو عنوانات التصوف ۱۲۔

اور بھی ہیں اور ان میں سے بعض وہ بھی ہیں کہ ان کے اندر آیات
تصوف و عقائد و معاشرت و معاملات کے متعلق زیادہ تر احادیث
ہی کو لفظاً یا ان کے ترجمہ کو بیان فرمایا گیا ہے ۔ مناجات المسلمین
جو ایک سو بیس صفحہ کی کتاب ہے ۔ حضرت حکیم الامت کی اس
کے اندر جو احادیث کا شمار کیا گیا ہے تو کم و بیش تین سو احادیث
احقر کے شمار میں آئیں ، پس ان چھ سو چونسٹھ ۶۶۴ کتب کے اندر
جتنی احادیث کو حضرت حکیم الامت نے روایت فرمایا ہے
اگر ان کی تعداد کو اس معروضہ بالا میزان کے اندر شامل کر لیا
جاوے ۔ اور غور کیا جاوے کہ جب دو کتابوں کی احادیث[1]
مرویہ چار سو اکہتر ہیں تو چھ سو چونسٹھ کتب کے اندر کتنی ہوں گی پھر
تعداد احادیث مرویہ[2] حضرت حکیم الامت کی کثرت کا اندازہ ناظرین
خود فرما سکتے ہیں ۔ اور تطبیق بین الروایات کا خزینہ اگر ملاحظہ کرنا
ہے تو حضرت حکیم الامت کی صرف ایک کتاب یعنی نشر الطیب
ہی کا مطالعہ کافی ہے ۔ روایات میں تعارض کو جو ایک
اٹل پہاڑ کی طرح غیر متزلزل معلوم ہوتا ہے ۔ حضرت حکیم الامت
نے جس بے تکلف تسلی بخش طریقہ کے ساتھ رفع فرمایا ہے اس
کو دیکھ کر انصاف کو اس کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ حقیقت میں

---

[1] حقیقۃ الطریقۃ والتشرف ۔ [2] جن احادیث کو روایت کیا ہو گا حضرت حکیم الامۃ نے

کام بھی حق تعالیٰ کو اس زمانہ حضرت حکیم الامت ہی سے لینا منظور تھا۔ کیا اب بھی اس خدمت کو حدیث کی عظیمۃ الشان خدمات میں داخل کرنا مبالغہ قرار دیا جاوے گا۔

باب اخلاق جس کو تصوف کہتے ہیں اوس سے تو جاہل اور عالم سب ہی محروم تھے۔ الا ماشاء اللہ کیونکہ اہل علم نے جب اس کو دیکھا تو وہ ان کو بالکل ایک ایسی چیز نظر آئی کہ کتاب و سنت سے قرآن و حدیث سے اس کی کوئی اصل نظر نہ آئی تو علماء نے تو اس کو یوں ترک کیا۔ اب رہے جہلا انہوں نے ایک ایسی چیز کا نام تصوف رکھا کہ جس کو قرآن و حدیث نے کفر و شرک قرار دیا وہ یوں محروم رہے۔ البتہ ایک جماعت اہل حق کی بے شک اس کی طالب تھی۔ مگر ان میں سے بھی اکثر اس کوتاہی کے اندر ضرور مبتلا تھے۔ کہ انہوں نے زوائد کو مقاصد اور خیالات کو کیفیات اور کیفیات کو مقامات تصور کر رکھا تھا۔ اور دو ایک نہیں بیسیوں اس کی مثالیں ہیں۔ مثلاً جس نے کتاب و سنت و اقوال بزرگاں کا مطالعہ کیا ہوگا اس پر مخفی نہ ہوگا کہ نسبت مع اللہ تعالیٰ کو تصوف کے اندر وہی درجہ حاصل ہے جو نماز کے اندر خشوع و خضوع کو اور ذکر اللہ کو بلکہ نسبت باطنی گویا خلاصہ

تصوّف ہے مگر اہل زیغ کا تو ذکر ہی کیا۔ جماعت اہل حق کا بھی اِلّا ما شاء اللہ یہی حال تھا کہ نسبت باطنی کے متعلق وہ ایک ایسے قول شارح[1] کو جس کا درجہ رسم ناقص سے زائد نہ تھا۔ حدتام سمجھے ہوئے تھے بفضلہ تعالیٰ اس خدمت کی توفیق بھی ہمارے حضرت حکیم الامت کو ہی عطا ہوئی کہ آپ نے نسبت باطنی کی ماہیت کو ایسا کھول کر رکھ دیا کہ اس کے جمال باکمال کا مشاہدہ ہر شخص گھر بیٹھے کر سکتا ہے۔ غرضیکہ یہ ہمارے حضرت حکیم الامت ہی کی ذات تھی کہ اس صدی کے اندر تصوف کی اصل حقیقت کو نہ صرف لوگوں پر کما حقہ منکشف فرمادیا بلکہ اس کی بنیاد کو ایسا مستحکم کر دیا کہ صدیوں تک نہیں جنبش کر سکتی۔ وہ تصوّف جس کو اہل تقشف بے اصل سمجھتے تھے۔ اس کے دو ہزار[2] مسائل سے متعلق یہ ثابت کر کے دکھلا دیا کہ خاص قرآن حدیث سے مستنبط ہیں۔ اور وہ استنباط بھی نکات ولطائف کے درجہ میں نہیں بلکہ ان وجوہ ولالت کے اعتبار سے جو عند العلماء معتبر ہیں۔ کیا اس اصلاح کا درجہ احیاء اور تجدید دین کے سوا کچھ اور ہے غرضیکہ یہ علامت بھی اس درجہ ہمارے حضرت حکیم الامت

---

[1] یہ علم منطق کا لفظ ہے۔ [2] دیکھو تمہید عنوانات التصوف۔ ۱۲

کے اندر عیاں ہے کہ مجددین متقدمین میں بھی بہت کم ایسے
حضرات ہوں گے جن کو یہ درجہ نصیب ہوا ہو۔

اور اسی طرح ایک علامت مجدد کی یہ ہے کہ اس کے
کلام میں اثر ہوتا ہے بفضلہ تعالٰے یہ علامت ہمارے حضرت
حکیم الامت کے اندر اس قدر مشاہدہ کی جاتی ہے کہ وہ تحقیق
کرنے والا ممکن ہے۔ سب سے زیادہ اسی کے دلائل کا
اقرار کرے۔ ایک دو نہیں سینکڑوں واقعات ہیں۔
حالانکہ مبلغین کے اندر دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو امر حق کا اظہار
خلاف مصلحت سمجھتے ہیں ان کا تو ذکر نہیں باقی رہے وہ حضرات
کہ ان کی تبلیغ کا مقصد ہی اظہار حق ہوتا ہے۔ ان میں بھی بعض
حضرات کا مسلک یہ ہوتا ہے کہ وہ حق کو مبہم و مجمل عنوان
سے ظاہر فرماتے ہیں تاکہ مخاطب کو وحشت نہ ہو مگر ہمارے
حضرت حکیم الامت اس کو بھی کافی نہیں سمجھتے تھے۔

بلکہ امر حق کو آپ نے بالکل صاف صاف الفاظ میں
ظاہر فرمایا مگر باوجود اس کے صرف یہی نہیں کہ تقریر میں اثر
ہو بلکہ تقریر و تحریر دونوں میں یہ وصف عطا ہوا تھا کہ علاوہ
مدلل اور مبرہن ہونے کے مضمون نہایت ضروری اور نہایت

دلچسپ اور موثر ہوتا ہے۔

دعوات عبدیت مجموعۂ بعض مواعظ حضرت حکیم الامت بزمانۂ طباعت جب کہ ان مواعظ کی کاپی کی کتابت علیگڈھ میں ایک خوشنویس صاحب کیا کرتے تھے تو ان کاپی نویس صاحب کی حالت میں تغیر ان مواعظ کی کتابت کرتے کرتے ہی پیدا ہو گیا تھا۔ غرضیکہ صرف معتقدین اور موافقین ہی نہیں بلکہ موافقین مخالفین سب کے قلوب راغب ہوتے تھے۔ اور ہر ایک متاثر ہوتا تھا۔ مشرب و مسلک میں مخالف ہیں مگر آپ کی کتابیں ان کے گھر موجود ہیں۔ برا بھلا کہتے ہیں اور حضرت کے مطبوعہ مواعظ پڑھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں۔ ہم نے خود دیکھا ہے اپنی طبیعت کے خلاف جو امر ہوتا تھا حضرت حکیم الامت کی زبان مبارک سے جب وہ نکلتا تھا تو وہ بھی ایسا مرغوب ہوتا تھا گویا مخاطب اس وقت بزبان حال یوں کہتا تھا ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

چنانچہ ایک اہل دل نے ہمارے حضرت حکیم الامت

کے متعلق یہ فرمایا ہے ؎

لطف و حسن موعظت بیں کہ ایں دوائے تلخ را

در قلوبِ سامعین وعظ ہمچو قند جاست

حضرات یہ مبالغہ اور شاعری نہیں واقعات ہیں!

از شعبان ۵۶ھ تا شوال ۵۷ھ کے ملفوظات میں سے خود حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے ایک ملفوظ کا خلاصہ عرض کرتا ہوں ارشاد فرماتے ہیں کہ کانپور میں ایک بار دو ماہ تک نماز کی ترغیب کا وعظ کہا تھا تو یہ حالت ہوگئی تھی کہ ایک سال دار سواری میں سوار ہو کر چلے جب اپنے مقام پر پہنچکر اترے تو وہاں وہ حقہ پینے لگے کوچوان سے کہا کہ لو بھائی حقہ پی لو اُس نے کہا کہ آپ نماز بھی پڑھتے ہیں کہا کہ نماز تو نہیں پڑھتا تو کوچوان نے کہا کہ تو صاحب میں آپ کا حقہ نہیں پیتا۔ اور فرمایا کہ (یہ حالت ہوگئی تھی) کہ گھوسنیں (دودھ بیچنے والیاں) جارہی ہیں تو راستہ میں ایک دوسرے سے کہتی جارہی ہیں کہ بہن قل ھو اللہ احد کے آگے کیا ہے۔ یکہ والا سواری کو لئے جارہا ہے دیکھا کہ وہ سواری کوئی مسلمان ہے تو اُس سواری سے پوچھتا ہے کہ صاحب سبحانک اللھم (مثلاً) کے آگے کیا لفظ ہے۔

کالپی ضلع جالون میں ۷ ار ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ مطابق ۱ر جنوری ۱۸ء
میں ہمارے حضرت حکیم الامت کا وعظ ہوا تو آپ نے تین
گھنٹہ ۲ منٹ تقریر فرمائی مضمون نہ تو ذکر شہادتین تھا۔
جس کے اندر جوش دلایا جاتا نہ سیرت نبوی نہ سیاسی تھا۔
نہ تاریخی بلکہ نہایت خشک اور ٹھوس مضمون تھا جس کا تعلق
بھی محض عمل سے تھا یعنی **تدبیر تحرز از معصیت**[1]

اور اس وعظ کے اندر شیعہ سنی مسلمان ہندو۔
یہاں تک کہ آریہ بھی شریک تھے۔ مگر جامع وعظ حضرت مولانا
حکیم مصطفٰی صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں
کہ اس وعظ میں شیعہ اور آریہ اور ہندو بھی تھے۔
اور کہتے تھے کہ ہم کو یہ گمان نہ تھا کہ اتنا اچھا

---

[1] گناہوں سے بچنے کی تدبیر کا بیان۔

وعظ ہوگا۔[1]

حضرت کا ہر وعظ حقیقت میں الہامی اور حضرت کی ایک کرامت ہے کہ اس کی نقل اتارنا بھی عادتاً مستبعد ہے۔ حضرت حکیم الامت کی تحریر و تقریر میں اثر کا ایک ادنیٰ نمونہ یہ بھی موجود ہے کہ پشتو میں آپ کے مضامین کا ترجمہ ہوا۔ ہندی میں آپ کے مضامین کا ترجمہ ہوا۔ بنگالی میں آپ کی کتابوں کا ترجمہ ہوا۔ برمی زبان میں آپ کی کتابوں کا ترجمہ ہوا۔ سندھی زبان میں لوگوں نے آپ کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ گجراتی زبان میں آپ کی کتابوں کا ترجمہ ہوا۔ کشمیری زبان میں آپ کے مضامین کا ترجمہ ہوا۔ انگریزی میں آپ کی کتابوں کا ترجمہ ہوا۔ حتیٰ کہ ابراہیم بیگ بھوپالی کا سانت پیری سے (جو ایک شہر ہے امریکہ میں اور فرانس کے قبضہ میں تھا) خط آیا کہ میرا ارادہ بہشتی گوہر کا فرنچ زبان میں کر کے چھاپنے کا ہے۔ مع متعدد عنوانات بہشتی زیور کے جن کو یہاں ضروری خیال کرتا ہوں۔ الخ۔[2]

---

[1] دیکھو الکلام وعظ ۱۴۲ التبلیغ رسالہ المبلغ ۱ [2] دیکھو اشرف السوانح حصہ سوم ص ۳۶۵

اسی طرح ایک علامت مجدد کی یہ ہے کہ مجدد کی شان[۱]
انبیاء کی سی ہوتی ہے بفضلہ تعالےٰ یہ علامت بھی ہمارے

۱؎ یہاں ایک بزرگ کا ایک مکاشفہ نقل کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اشرف
السوانح حصّہ سوم باب بست وپنجم شذرہ (۹۱) میں منقول
ہے کہ (۲) جب پہلی بار بندہ حج وزیارت سے مشرف ہوا تو حضرت مولانا محب الدین
صاحب ولایتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر قدس سرہ العزیز
کے مجاز اور مشہور صاحب کشف کی بزرگ تھے ایک بار حرم شریف میں بیٹھے
ہوئے از خود سلسلۂ امدادیہ کے تمام بزرگوں کے حالات بیان فرمانا شروع
کئے۔ حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کے متعلق فرمایا کہ مولانا اس وقت
مقام علم میں ہیں اور اس مقام میں عارف کو علوم وھبیہ کا بڑا حصہ ملتا ہے اس
لئے مجھے مولانا کی تفسیر بیان القرآن کے مطالعہ کا بہت اشتیاق ہے۔ انتہیٰ
اشرف السوانح حصہ سوم۔

وفی الحدیث وان العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا
درھما وانما ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر۔ المشکوٰۃ
کتاب العلم۔ یعنی انبیاء کا ترکہ روپیہ نہیں بلکہ علم دین ہے۔
احقر مؤلف رسالہ ہذا عرض کرتا ہے کہ اس حدیث سے علم کا منجملہ ۴
یہ اس مکاشفہ کا حاصل ہوا (بدلیل التخصیص بالنسبۃ الی ذالک المقام) اور ا

۴- یعنی تشبیہ ان نبوت سے ہونا ثابت ہوا اور اس شان نبوت کا خصوصیت اور امتیاز کے درجہ میں حضرت حکیم الامت کو عطا ہونا

(بقیہ صفحہ ۶۲) ایک دوسرا واقعہ بھی ہدیہ احباب کرتا ہے کہ وہ یہ کہ بروز سہ شنبہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۳۶ء بوقت صبح احقر خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں حاضر تھا کہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کہ وہ بھی وہاں ہی مقیم تھے تشریف لائے اور فرمایا کہ میں ابھی حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی سے وہ ملفوظ (اور اس ملفوظ کا ذکر احقر سے اور خواجہ صاحب سے پہلے بھی ہو چکا تھا) دریافت کر کے آیا ہوں اور پھر احقر سے وہ ملفوظ نقل فرمایا کہ ایک بار حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں اپنے حالات کا عریضہ ارسال کیا تھا تو مولوی احمد صاحب جو بنگالی تھے اور اس زمانہ میں مکہ معظمہ رہا کرتے تھے۔ اور حضرت حاجی صاحب سے ان کا تعلق تھا۔ ان کا خط حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی کی خدمت میں آیا کہ جس وقت وہ آپ کا خط حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں پہنچا تو اس وقت میں بھی وہاں حاضر تھا۔ حضرت حاجی صاحب نے اس خط کے مضمون پر مطلع ہو کر فرمایا کہ اب تو یہ مولوی رشید احمد صاحب سے بھی بڑھ چلے ہیں۔ پھر حضرت حاجی صاحب نے انہی مولوی احمد صاحب بنگالی کے ہاتھ سے کیونکہ حضرت حاجی صاحب خط کے جوابات دوسروں سے لکھوا کر ارسال فرمایا کرتے تھے، لکھوا کر ہندوستان ارسال فرمایا تھا۔ (باقی بر صفحہ ۶۴)

حضرت حکیم الامت کے اندر اس درجہ پائی جاتی ہے کہ جو شخص تحقیق کرے گا تو خود مشاہدہ کرے گا کہ ایک دو نہیں سینکڑوں دلائل اس کے موجود ہیں۔ جس کا نمونہ ایک یہی ہے جو ابھی اوپر عرض کیا گیا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے دین کے ہر ہر جزو میں ایسا اصلاحی دخل دیا کہ اس کی نظیر مجددین متقدمین میں بھی کم ملے گی۔ اور دین کے ہر ہر جزو میں مصلحانہ دخل دینا یہ خاص شان ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی۔ جیسا اوپر واضح کر دیا گیا ہے۔

لہٰذا جو شخص کہ خود اپنی ہی تحقیق کی ضرورت سمجھتا ہے اور دوسروں کی تحقیق اس کے لئے کافی نہیں تو اس کو چاہیئے کہ وہ کم از کم ان تصانیف ہی کا مطالعہ کرے۔ تو ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ وہ یہ کہے گا ؎

ترا دیدہ و دیگر را شنیدہ

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

(بقیہ صفحہ ۶۳) اس خاص الخاص بشارت کا اجمالی ذکر صفحہ ۹ باب سیزدہم شرف بیعت و استفاضۂ باطنی حصۂ اول اشرف السوانح میں بھی ہے۔ اور احقر نے یہ ملفوظ جب حضرت خواجہ صاحب نے بیان فرمایا اسی وقت لکھ لیا تھا۔

اور۔ اسے قبائے رہنمائی راست برلائے تو

علم و حکمت را شرف از نسبت والائے تو

ولنعم ماقیل فی محی السنۃ حکیم الامت مجدد الملت قدس سرہ

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ

بدلتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

بلکہ آفتاب نصف النہار کی طرح اس کا بھی مشاہدہ کرے گا کہ ان علامات مستنبط من النصوص کا اجتماع جس درجہ ہمارے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات کے اندر ہؤا ہے۔ مجددین میں بہت کم ایسے گذرے ہیں کہ ان کو یہ درجہ حاصل ہؤا ہو۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اور چونکہ وہ تصانیف بفضلہ تعالیٰ ابھی تک موجود ہیں او بآسانی میسر آسکتی ہیں۔ اس لئے تحقیق کا یہ طریقہ کبھی دشوار نہیں بلکہ سہل ہے۔ اور جو شخص جس وقت چاہے اس طریقہ کو اختیار

کر سکتا ہے لہذا اس بحث کو ہم یہاں ختم کر کے اپنے اس مقصود اصلی کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ اس رسالہ کی غرض وہی ہے اور وہ غرض اور مقصود اعظم تبلیغ حق ہے ۔ پس عرض ہے کہ چونکہ حضرت حکیم الامت محی السنتہ مجدد الملت کے اندر ان علامات کا اجتماع دلائل اور واقعات سے شاہد اور ثابت ہے کہ جو علامات ایک مجدد کیلئے حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں ۔ تو اگرچہ اس رسالہ کا مقصود ان واقعات و دلائل کا بیان کرنا نہیں ہے بلکہ محض تبلیغ ہے لیکن ان دلائل و واقعات میں سے اگر کوئی دلیل ایسی ہوگی کہ اس کا کوئی خاص تعلق باب تبلیغ سے ہی ہم کو محسوس

تشریح مقام برائے حضرات عوام

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گیا کہ اس رسالہ میں اس سے پہلے نہایت پرزور طریقہ سے یہ بات ثابت کر دی گئی ہے کہ اس امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے وہ شرف عطا فرمایا ہے کہ جو کام پہلے انبیاء علیہم السلام سے لیا جاتا تھا وہ اب قرب قیامت تک اس امت محمدیہ کے مجددین سے لیا جاوے گا لیکن یہ معلوم کر کر ہر شخص اپنے مجدد ہونیکا (باقی ص۷۶ پر

ہوگا تو اس کا بیان ہم اپنے رسالہ میں بھی ضروری سمجھتے ہیں خواہ اس کا تعلق علامات کی اقسام میں سے کسی قسم سے بھی ہو۔ چنانچہ منجملہ علامات مجدد کے ایک علامت ہمارے حضرت حکیم الامت مجدد الملت کے اندر بفضلہ تعالیٰ روز روشن

(بقیہ حاشیہ ص۶۶) گمان بلکہ دعویٰ کر بیٹھتا جس سے طالبین حق کی غلط فہمی اور پریشانی کا اندیشہ تھا اسلئے ہمارے حضور پر نور رحمۃ للعلمین جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی حدیثیں ارشاد فرمائیں جن سے یہ خدشہ بالکل رفع ہوگیا یہ وہ حدیثیں ہیں جن سے اگر کسی بزرگ کے اندر یہ علامتیں جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہیں پائی جاویں مگر تمام نہ پائی جائیں بلکہ بعض پائی جائیں اور بعض نہ پائی جاویں تو گو اُن کو لغت کے لحاظ سے مجدد کہہ دیا جاوے لیکن وہ مجدد جس کی پیشین گوئی حدیث میں ہے کہ جسکو مجدد مبعوث من اللہ کہا جا سکے وہ نہ ہونگے یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگوں نے جو کسی خاص دین کی بات کی تجدید کی ہے تو اُن کو اُنکے خاص احباب نے اپنے اسلامی خلوص ومحبت کے جوش میں اُنکو اس خاص جزء کا مجدد کہہ دیا ہے جیسے کوئی صاحب صرف ایک حرف (ج) کا خوشخط لکھنا خوب جانتے ہوں تو گو اُن کو لغت میں صرف (ج) کے لحاظ سے

بقیہ حاشیہ

کی طرح وہ بھی دیکھی جاتی ہے کہ جس کو علامت سوم کے تحت میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی مجدد کو وہ بات سوجھتی ہے جو اس کے بڑوں کو بھی نہیں سوجھتی۔ انتہیٰ۔

اور دو ایک نہیں بلکہ مثل دیگر علامات کے اس علامت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۷) خوشخط کہدیں لیکن اگر کسی کو کتابت کی ضرورت ہو اور وہ کسی خوشنویس کا پتہ دریافت کرنے لگے تو اسکو اُن (ج) کے خوشخط لکھنے والے کا نام نہ بتلایا جاویگا بلکہ کسی کامل خوشنویس کا جو الف سے لیکر ی تک تمام حروف کی خوشنویسی میں پورا مشاق ہو اسکا نام لیا جاوے گا پس اسیطرح اُس خاص جزء کی اصلاح کرنے والے کو خواہ اُس جزء کے لحاظ سے کبھی مجدد کہدیں لیکن وہ دین اسلام کا مجدد نہ کہلائیگا جسکی بشارت حدیث میں دی گئی ہے اور جسکے متعلق حدیث سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ وہ دین کے ہر ہر جزء میں دخل دیتا ہے اور یہی راز ہے کہ جامع المجددین محی السنۃ حکیم الامۃ حضرت سیدی و مرشدی حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب نے حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا تھا کہ گمان مجددیت کا نہیں بلکہ قطبیت کا ہے (ملاحظہ ہو مقالات حکمت (۳۶) باقی صفحہ ۶۹ پر)

سوم کے بھی بیسیوں نظائر اور دلائل ایسے موجود ہیں کہ جو ایک دوسرے پر فوقیت لئے ہوئے ہیں لیکن اس قسم سوم کے نظائر اور دلائل میں سے ایک حقیقت ایسی بھی ہے کہ اس کا تعلق تبلیغ سے ایسا ہی ہے کہ جیسے روح کا تعلق جسم سے ہے۔ لہٰذا اس شدت

(بقیہ حاشیہ صفحہ دعوات عبدیت حصہ سوم) ورنہ کس کو معلوم نہیں کہ قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نے اپنی ساری عمر جس چیز کے اندر گزاری وہ اگر رسوم و بدعات کے رد کے ذریعے دین کی تجدید نہ تھی تو کیا تھی اور اگر کسی کے اندر علامتیں تو پائی نہیں جائیں مگر وہ یہ دعوٰی کرتا ہے کہ میں بھی مجدد ہوں اور مجھ کو یہ امر کشف یا الہام کے ذریعے معلوم ہوا ہے تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلے میں اُسکا یہ کشف و الہام نہیں مانا جاوے گا اور اُس کا یہ کشف صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ اس کشف کا منشاء یا تو اُس کی خود کی قوت خیالیہ ہوگی کہ جیسے دن بھر جن خیالات میں انسان مشغول رہتا ہے رات کو خواب میں قوت خیالیہ کی وجہ سے وہی چیزیں سامنے آجاتی ہیں یا اُس کشف کا سبب اُسکا کوئی دماغی مرض ہوگا جیسا طبیبوں نے بھی لکھا ہے کہ بعض امراض کا خاصہ ہے۔ (باقی صفحہ پر)

تعلق مع التبلیغ ہی کی وجہ سے اس حقیقت کو بیان کے لئے ہم ترجیح دیتے ہیں۔ اور قدرے تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کو ہدیہ احباب کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ حقیقت ایسی انوکھی حیثیت کی مالک ہے کہ اس کے متعلق یوں گمان کیا جاوے تو بے جا نہ ہوگا۔ مالا عین

(بقیہ حاشیہ ص۶۹) کہ اُن کے اندر کشف ہونے لگتا ہے اسیطرح ایسے شخص کا الہام بھی روحانی نہ ہوگا بلکہ تصرف نفسانی ہوگا جو حدیث کے مقابلے میں معتبر نہ ہوگا۔

پس ایک علامت مجدد کی جو حدیث سے ثابت ہوتی ہے یہ ہے کہ اُس کا فیض کامل شروع صدی میں خوب پھیلتا ہے گو وہ پیدا پہلی صدی میں ہوا ہو۔

دوسری علامت جو حدیث سے ثابت ہوتی ہے یہ ہے کہ اُس کے کلام میں اثر ہوتا ہے تیسری علامت جو حدیث سے ثابت ہوتی ہے یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی ہر اسلامی چیز کی اعلیٰ درجہ کی اصلاح کی طرف توجہ کرتا ہے یعنی مسلمانوں کے عقیدوں میں جو کمزوریاں پیدا ہوگئی ہیں اُن کی بھی اصلاح کرتا ہے اور مسلمانوں کی نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کے اندر جو کوتاہیاں

رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر (اے من اہل العصر)
کی الہامی شان دیکھ کر یوں کہا جاوے تو بے محل نہ ہوگا ؎

ہاں بادہ کشو پوچھ لو مے خانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آئی ہے اب خلد بریں سے

(بقیہ حاشیہ ص) ہوں اُن کی اصلاح کرتا ہے اسیطرح وہ مردہ سنتوں کو زندہ کرتا ہے بدعتوں کا رد کرتا ہے اور مسلمانوں نے اپنے تمدن اور معاشرت کے اندر جو خلاف شریعت کاموں کو داخل کرلیا ہے اُسکی اصلاح کی طرف توجہ کرتا ہے مسلمانوں نے جو اپنی تجارت زراعت معاملات خرید وفروخت وغیرہ کے اندر جن احکام اسلامی کو پس پشت ڈالدیا ہو جس سے وہ سودی لین دین اور حرام مال کے استعمال سے گناہ میں مبتلا ہوگئے ہیں اُن کی اصلاح کرتا ہے اسیطرح مسلمان اپنی سیاست کے اندر جو اسلام کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں اُن کی اصلاح کی طرف توجہ کرتا ہے اسی طرح روحانیت اور قلب کی نورانیت کی طرف سے جو اُن کو غفلت ہے اس کی بھی اصلاح کیطرف کامل توجہ کرتا ہے غرضیکہ دین کے ہر ہر جزء میں وہ دخل دیتا ہے (باقی ص۷۲ دیکھو)

پھر وہ نہ صرف اپنے اندر یہ وصف رکھتی ہے کہ اس صدی میں آج تک کسی زبان و قلم سے وہ بات نہیں نکلی بلکہ اس کی وہ شان ہے کہ اسی حقیقت ہی کی طرف سے بے اعتنائی اور غفلت ذمہ دار ہے۔ دور حاضر میں مسلمانوں کی تمام تباہی اور بربادی کا بلکہ اگر اب بھی مسلمان بیدار ہو کہ اس ارشاد

(بقیہ حاشیہ ص۷۱) یہ نہیں کہ مسلمانوں کی صرف ایک ہی چیز کی اصلاح کیطرف اس کی توجہ ہو اگر کوئی بزرگ ایسے ہوں کہ انھوں نے مسلمانوں کی اصلاح کی طرف توجہ تو کی لیکن صرف نماز روزہ کی اصلاح کیطرف توجہ کی یا صرف سیاست کی اصلاح کی یا صرف ردِّ بدعات کیا۔ تو گو وہ بزرگ ہوں عالم ہوں مگر مجدد نہیں ہو سکتے۔

چوتھی علامت جو حدیث سے ثابت ہوتی ہے یہ ہے کہ مجدد کی شان انبیاء کی سی ہوتی ہے۔

پانچویں علامت جو حدیث سے ثابت ہوتی ہے مجدد کی وہ یہ ہے کہ مجدد کو وہ بات سوجھتی ہے جو اس کے بڑوں کو بھی نہیں سوجھتی۔

(باقی ص۷۳ دیکھو)

پر عمل کی کوشش کریں تو بعون تعالیٰ ان کی تمام پریشانیاں اور کمزوریاں رفع ہوجائیں ۔ اور وہ قوت حاصل ہو کہ لانتم اشد رھبۃ فی صدورھم من اللہ الایۃ (پارہ قدسمع اللہ ع۲۸)

ترجمہ ۔ بے شک تم لوگوں کا خوف ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے ۔ کے صحیح معنی میں مصداق بن سکیں ۔ بلکہ ببانگ دہل کہا جاتا ہے کہ جب تک اس

(بقیہ حاشیہ ص۷۲) پس یہ تمام علامتیں جو حدیث سے ایک مجدد کامل کی ثابت ہوتی ہیں وہ تمام و کمال بفضلہ تعالیٰ رأس المفسرین فخر المحدثین فخر العلماء رئیس الفضلاء جامع المجددین محی السنۃ حکیم الامۃ مولانا مولوی قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ کے اندر مجتمع پائی جاتی ہیں ۔

کوئی علامت ایسی نہیں کہ روز روشن کیطرح آپ کے اندر نہ ہو چنانچہ اس کا بیان کتاب ہذا کے صفحہ تینتالیس سے شروع ہوتا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جاوے ۔

چنانچہ آپ کا فیض کامل شروع صدی ہذا میں خوب اچھی طرح پھیلا ۔ جیسا کہ اس کتاب کے اندر بیان کیا گیا ہے (باقی ص۷۴)

حقیقت کی طرف سے بے اعتنائی رہیگی مسلمانوں کو جیسی قوت حاصل ہونے کی ضرورت ہے کبھی حاصل نہیں ہو سکے گی۔ اور اگر اب تک کا تجربہ ناکافی ہو تو آئندہ جب تک چاہیں تجربہ کر لیں سے ہیں میدان ہیچ گان ہیں گوئے پس اول ہم قران کی

(بقیہ حاشیہ ص۷۳) یہ پہلی علامت ہے مجدد کامل کی اسیطرح آپ کے کلام میں ایسا اثر تھا کہ جو ایک مجدد ہی کو نصیب ہو سکتا ہے دوسرے کو نہیں جیساکہ اس کتاب میں بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ دوسری علامت ہے مجدد کی اسیطرح حضرت حکیم الامۃ نے دین کے ہر ہر جزء میں دخل دیا اور مسلمانوں کی صرف ایک چیز کی نہیں بلکہ ہر حالت کی اصلاح کی طرف پوری توجہ فرمائی جیساکہ کتاب کے اندر مفصل بیان کر دیا گیا ہے یہ تیسری علامت ہے مجدد کی اسی طرح مجدد کی شان کا انبیاء جیسی ہونا یہ صفت بھی حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے اندر بخوبی پائی جاتی ہے جس کا کتاب ہذا میں مفصل بیان کر دیا گیا ہے یہ چوتھی علامت ہے مجدد کی اسی طرح آپ کو وہ باتیں سوجھیں جو اس صدی میں اکابرین میں سے بھی کسی کو بھی نہ سوجھیں۔ (باقی ص۷۵ دیکھو)

روشنی میں ناظرین کو اُس حقیقت سے مانوس کرتے ہیں اُسکے بعد انشاء اللہ تعالےٰ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے ایک ملفوظ میں اُسکے جمال باکمال کا مشاہدہ کرائینگے۔

(بقیہ حاشیہ صلا) اور یہ پانچویں علامت ہے مجدد کامل کی جو حدیث سے ثابت ہوتی ہے جس کا بیان بھی اس کتاب میں مفصل کیا گیا ہے اور ایسی باتوں میں سے کہ جن کی حقیقت کی طرف صرف حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی ہی نظر پہنچی اور کسی کی نہ پہنچی ایک خاص بات وہ بھی ہے کہ اس حقیقت کا بیان حصہ دوم کے اندر مجملاً اور تفصیلاً کیا گیا ہے۔

اور وہ ایسی ضروری حقیقت ہے کہ جسکے اب تک مخفی رہنے کی وجہ سے مسلمانوں کا تمدن اُن کی سیاست اُن کا دین اُن کی دنیا سب خطرہ میں آگئی ہیں۔

حصّہ دوم

ـــــــ: حصّہ دوم: ـــــــ

پس احقر اولاً تمہیداً کچھ عرض کرتا ہے اسکے بعد وہ ارشاد فیض بنیاد بحوالہ نقل کریگا۔

(الف) ظاہر ہے کہ کوئی قوم غلامی میں رہ کر ترقی کامل نہیں کرسکتی لہٰذا مسلمان بھی جبتک خود اپنی حکومت حاصل نہ کریں ترقی کامل نہیں کرسکتا۔

(ب) یہ بھی ظاہر ہے کہ مطلق[1] حکومت کافی نہیں ورنہ وہ تو اب بھی حاصل ہے بلکہ ضرورت ہے ایک ایسی حکومت کی جو بعض خاص صفات سے موصوف ہو یعنی مذہبی حیثیت سے بھی قوی ہو اور دنیوی حیثیت سے بھی اگر دنیوی طاقت ناقص ہوئی تو وہ حکومت حکومت ہی کی مصداق نہ ہوگی جیسے اب بھی بعض مقامات میں مسلمانوں کو ایسی حکومت حاصل ہے مگر حقیقت میں اسکا عدم

---

[1] کمزور

وجود برابر ہے اور اگر مذہبی قوت نہ ہوئی تو اس کی ترقی اسلام کی ترقی نہ ہوگی اور غیر اسلام کی ترقی کو مسلمانوں کی ترقی ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

(ج) یہ سب کچھ تسلیم ہے لیکن کوئی چیز کتنی ہی مفید اور ضروری کیوں نہ ہو اُسکی تحصیل اسیوقت ممکن ہے کہ جب خود اُس چیز کے وجود کو بھی ممکن تصور کیا جائے اور بظاہر تا نزول حضرت امام مہدی علیہ السلام ایسی حکومت مسلمانوں کے لئے محال ہے۔ تو اب ایک ضرورت اسکی ہوئی کہ کوئی صورت ایسی ہو کہ یہ محال موجودہ[1] زمانہ میں بھی ممکن ہو جائے یعنی ایسی حکومت جو ان خاص صفات مذکورہ بالا سے واقعی متصف ہو مسلمانوں کو مل سکے پس اگر ہماری یہ ضرورت کوئی مذہبی ضرورت نہ ہوتی بلکہ اہل یورپ کی کوئی سیاسی الجھن ہوتی تو اُمید ہوتی کہ شاید کوئی گول میز کانفرنس اس کو سلجھا دے گی لیکن ہمارا یہ ایک مذہبی امر ہے بس اس حکومت کا تعلق اگر مذہب یہود سے ہوتا تو اس کے متعلق وہ اپنی توراۃ سے مدد لے سکتے تھے اور اگر اس حکومت کا تعلق مذہب نصرانیت سے ہوتا ہے تو وہ اس قضیہ کے لئے اپنی انجیل

---

[1] یعنی ایسی حکومت حاصل ہو جو خاص صفات مذکورہ بالا سے صحیح معنی میں متصف ہو سکے۔

کی طرف رجوع کر سکتے تھے۔ مگر ہم مسلمان ہیں ہماری یہ حکومت مذہبی حکومت ہے ہماری یہ ضرورت اسلامی ضرورت ہے۔ لہذا ہماری اس مشکل کو اگر کوئی حل کر سکتا ہے تو وہ صرف ہمارا قرآن ہے۔

پس اے مسلمانوں خدا کے واسطے تم در بدر بھیک نہ مانگو بلکہ جو کچھ مانگو اپنے قرآن سے مانگو اور آیت ذیل کی تلاوت کرو اور تدبر کے ساتھ کرو اور دیکھو کہ ایک ہی ساتھ کس طرح ہماری تینوں مرادیں پوری کیجا رہی ہیں۔

پس اول ہم قرآن پاک کی وہ آیت اور اسکا ترجمہ اور تفسیر بیان کرتے ہیں اسکے بعد اپنے مدعیٰ کا خلاصہ عرض کرینگے۔

الآیۃ۔ وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون لا تحسبن الذین کفروا معجزین فی الارض ومأوٰھم النار ولبئس

المصیر۔

(پارہ قد افلح المؤمنون ۔ ۱۸ ۔ سورۃ النور ۲۴ رکوع ۱۲ ثلث) حاشیہ بر صفحہ ۶۸

ترجمہ و تفسیر آیت مذکورہ بالا از مکمل بیان القرآن

ترتیب بعضے مواعید دنیا و آخرت بر اطاعت و معصیت

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم (الیٰ قولہ تعالیٰ) ۔ ولبئس المصیر۝

حاشیہ صفحہ ۷۶ :۔ اللغات فی الروح التمکین فی الاصل جعل الشیٔ فی مکان ثم استعمل فی لازمہ وھو التثبیت والمعنی لیجعلن دینھم ثابتاً مقرراً بان یعلی سبحانہ شانہ ویقوی بتائیدہ تعالے ارکانہ ویعظم اھلہ فی نفوس اعدائھم ۔ ۱۲

النحو قولہ لیستخلفنھم فی الروح اللام واقعۃ فی جواب القسم المحذوف ومفعول وعد الثانی محذوف دل علیہ الجواب ۱ھ

وعد اللہ الذین اٰمنوا استخلافھم واقسم لیستخلفنھم ویجوز ان ینزل وعدہ تعالیٰ المحقق انجازہ لامحالۃ منزلۃ القسم والیہ ذھب الزجاج ویکون لیستخلفنھم منزلۃ المفعول فلا حذف آہ قولہ یعبدوننی حال من ضمیر المفعول فی لیبدلنھم والیہ اشیر فی الترجمہ فافھم ۱۲

البلاغۃ قولہ وعد اللہ الخ فی الروح فی الآیۃ تنویع الخطاب حیث خاطب سبحانہ المقسمین علی تقدیر التولی ثم صرفہ تعالیٰ عنھم الی المومنین التائبین قولہ ولیمکنن فی الروح وتاخیرہ عن الاستخلاف مع کونہ اجل الرغائب الموعودۃ لما انہ کالاثر للاستخلاف المذکور ۔

ملحقات الترجمہ ۵۳

ف۵
(اے مجموعۂ اُمّت) تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں (یعنی ہدایت کا کامل اتباع کریں) اُن سے اللہ تعالےٰ وعدہ فرماتا ہے کہ اُن کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائیگا جیسا اُن سے پہلے

ملحقات الترجمہ

ف۵ ۔ قولہ قبل وعدلئے مجموعۂ امت ولا ینحصر بسبب النزول وہو ما فی الدر عن البراء قال فینا نزلت ونحن فی خوف شدید وعن ابی العالیۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ یدعون الی اللہ وہم خائفون لا یؤمرون بالقتال حتیٰ امروا بالہجرۃ فامرہم اللہ بالقتال کانوا بہا خائفین یمسون فی السلاح ویصبحون فی السلاح ثم ان رجلاً من اصحابہ قال یا رسول اللہ ابد الدہر خائفون ہکذا فانزل اللہ وعد اللہ الخ فاظہر اللہ نبیہ علی جزیرۃ العرب ووضع السلاح ثم فی امارۃ ابی بکر وعمر وعثمان حتیٰ وقعوا فیما وقعوا وکفروا النعمۃ فادخل اللہ علیہم الخوف اھ مختصراً فان الظاہر منہ اختصاص الخطاب بالحاضرین للان العبرۃ لعموم الالفاظ لا لخصوص السبب ۱۲

(اہل ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی (مثلاً بنی اسرائیل کو قبطیوں پر
غالب کیا پھر عمالقہ پر غلبہ دیا اور مصر شام کی حکومت دی) اور
(مقصود اسی حکومت دینے سے یہ ہوگا کہ) جس دین کو (اللہ تعالیٰ
نے) اُن کے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام لقولہ تعالیٰ رضیت لکم
الاسلام دیناً) اُس کو اُن کے (نفع آخرت) کے لئے قوت دیگا
اور (اُن کو جو دشمنوں سے طبعی[1] خوف ہے) ان کے اس خوف کے
بعد اس کو مبدل بامن کر دے گا بشرطیکہ[2] میری عبادت (موافق
امر کے) کرتے رہیں (اور) میرے ساتھ کسی[3] قسم کا شرک نہ کریں نہ
جلی نہ خفی جسکو ریا کہتے ہیں یعنی وعدہ مقید ہے کمال ثبات فی
الدین کے ساتھ اور یہ وعدہ تو دنیا میں ہے اور آخرت میں
ایمان وعمل صالح پر جو ثمرہ مرتب وموعود ہے وہ جدا رہا) اور جو
شخص بعد (ظہور) اس (وعدہ) کے ناشکری کریگا (یعنی دین کے
خلاف طریقہ اختیار کرے گا اور قید بعد کی اس لئے ہے کہ اس
وقت کا کفر وفسق زیادہ اشد ہے کہ صدق آیات کا اس وقت

ملحقات الترجمہ | [1] قولہ فی خوفہم طبعی فلا یرد ان المومن الکامل لایخاف الا اللہ تعالیٰ ۱۲
[2] قولہ فی بعید وتنی بشرطیکہ اشارۃ الی کونہ حالا کما فی المدارک [3] قولہ شیئاً کسی قسم اشارۃ
الی کونہ مفعولاً مطلقاً اے شیئاً من الاشراک کذا فی الروح ؏

اظہر ہو گیا ورنہ اصل مدار حکم فسق و وعید کا صرف کفر ہے غرض جو ایسا کرے گا) تو ایسے شخص کے لئے وعدہ استخلاف بالطریق المذکور کا نہیں کیونکہ) یہ لوگ بے حکم ہیں (اور وعدہ تھا حکم برداروں کے لئے جیسا آمنوا و عملوا الصلحت۔ ونیز یعبدوننی لا یشرکون بی اس پر دال ہے بس اُن سے دنیا میں یہ بھی وعدہ نہیں اور آخرت میں جو فسق پر وعید ہے وہ جدا رہی غرض اتباع ہدایت ایسی چیز ہے جس سے دارین میں معیّت الٰہی ہوتی ہے اتباع ضلالت وہ چیز ہے جس سے دارین میں خذلان ہوتا ہے) اور (اے مسلمانوں جب تم نے ایمان و عمل صالح کے ثمرات سن لئے تو تم کو چاہیئے کہ خوب) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (باقی احکام میں بھی) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر (کامل) رحم کیا جاوے (جسکا کچھ شمہ اوپر وعداللہ میں بھی بیان ہوا ہے آگے کفر و معصیت کا ثمرہ مذکور ہوتا ہے یعنی اے مخاطب) کافروں کی نسبت یہ خیال مت کرنا کہ زمین (کے کسی حصے) میں (بھاگ جاویں گے اور ہم کو) ہرا دینگے (اور ہمارے قہر سے بچ جاویں گے نہیں بلکہ خود ہارینگے مقہور و مغلوب ہونگے یہ ثمرہ تو دنیا میں ہے) اور (آخرت میں) اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے ؕ

ف۔ اس آیت میں مجموعۂ اُمت سے وعدہ ہے ایمان و عمل صالح پر حکومت دینے کا جسکا ظہور خود عہدِ نبوی سے شروع ہوکر خلافتِ راشدہ تک متصلاً ممتد رہا چنانچہ جزیرۂ عرب آپ کے زمانہ میں اور دیگر ممالک زمانۂ خلفائے راشدین میں فتح ہوگئے اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً گو اتصال نہ ہو دوسرے صلحائے ملوک و خلفا کے حق میں اسی وعدہ کا ظہور ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہیگا جیسا کہ دوسری آیات میں ہے ان حزب اللہ ھم الغالبون ونحوہ اور اس وعدہ کا حاصل مجموعہ ایمان و عمل صالح و عبادۃ خالصہ پر مجموعۂ استخلاف و تمکین دین و تبدیلِ خوف بالامن کا مرتب ہونا ہے اور سیاق سے اِس مرتب کا اختصاص بھی اِس مرتب علیہ کے ساتھ معلوم ہوتا ہے پس فساق یا کفار کو احیاناً حکومت وسلطنت ملجانا محل اشکال نہیں کیونکہ وہاں مجموعہ مرتب نہیں ہوتا چنانچہ حکام فساق کے ہاتھوں دین کی کامل تمکین نہیں ہوئی ایک بوجہ قلت تائید من اللہ کے دوسرے خود فعل ملوک کا بھی خاص اثر ہوتا ہے پس جب خود ثبات کم ہے تو اس سے تثبیت بھی کم ہوگی گو حسب حدیث ان اللہ لیؤید ہذا الدین بالرجل الفاجر من وجہ دین کی خدمت اُن کے ہاتھ سے ہو جائے اور اس اختصاص سے خلفائے راشدین کی مدح و صحت خلافت بھی صاف ظاہر ہے کیونکہ اُن کے وقت میں دین کی تمکین کا

کمال اظہر من الشمس ہے اور ثبوت اختصاص سے یہ وسوسہ بھی دفع ہو گیا
کہ آیت سے ایمان کامل کا ملزوم اور استخلاف مذکور کا لازم ہونا مفہوم ہوتا
ہے اور وجود لازم مستلزم نہیں ہوتا وجود ملزوم کو پھر مدح کیونکر ثابت ہوئی
وجہ دفع ظاہر ہے کہ یہ لازم خاص ہے اور وہ ملزوم بھی خاص ہوتا ہے
اور اگر شبہ ہو کہ ایمان و عمل صالح سے بھی احیاناً استخلاف متخلف ہوتا
ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں بیان ہے اقتضار کا اور تخلف لا
لابتلاء منافض اقتضاء نہیں اور اس اقتضا کی شرط عادی ظاہری مقابلہ
بھی ہے۔ (مکمل بیان القرآن جلد ۸ صفحہ ۳۰ مطبوعہ اشرف المطابع)

خلاصۂ مدّعا

اس کتاب کے حصّہ دوم میں جواب تک احقر مؤلف نے عرض کیا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

ہمارے تین سوال تھے

(۱) نمبر اوّل یہ کہ ہم کو حکومت عطا ہو۔

(۲) یہ کہ ہر زمانہ میں ہم جب چاہیں وہ حکومت حاصل کر سکیں

(۳) یہ کہ وہ حکومت کوئی ایسی ویسی حکومت نہ ہو بلکہ وہ دینی لحاظ سے اتنی قوی ہو کہ درجۂ تمکین تک پہنچی ہوئی ہو اور دنیوی حیثیت سے اتنی زبردست ہو کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی اُس کو خوف و ہراس نہ ہو۔ پس اٹھارہویں پارہ کی وہ آیت جسکا مکمل ترجمہ اور تفسیر ہم اوپر پیش کر چکے ہیں اُس آیت کریمہ کے اندر ہماری ان تینوں درخواستوں کو پورا فرمایا گیا ہے یعنی اس آیت میں اوّل تو قسم کھا کر (جیساکہ اوپر دلائل سے مکمل بیان القرآن کی عربی عبارت میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ یہ وعدہ قسم

کھا کر فرمایا جارہا ہے بلا قسم کے نہیں (حق سبحانہٗ تعالےٰ نے مسلمانوں کو حکومت عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے (یہ ہماری پہلی درخواست اور ہمارا پہلا سوال تھا جس کو پورا فرمایا گیا)
اسکے بعد اس آیت میں ہماری دوسری درخواست منظور فرمائی گئی ہے یعنی اُس حکومت کے عطا ہونے کا وعدہ صرف اب سے پہلے زمانہ ماضی ہی کے لئے نہیں بلکہ ہم اپنے اس[1] موجودہ زمانہ میں بھی جب چاہیں یہ دولت آ سکے خزانہ سے حاصل کر سکتے ہیں (جیسا اوپر روز روشن کیطرح ظاہر کر دیا گیا ہے یہ ہماری دوسری درخواست تھی جو منظور فرمائی گئی) اسکے بعد اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ حکومت جس کا وعدہ ہم سے فرمایا جارہا ہے کوئی کمزور حکومت نہ ہوگی بلکہ وہ حکومت

---

[1] یہ وعدہ مجموعۂ اُمت سے ہے (ملاحظہ ہو تفسیر مکمل بیان القرآن جو اس مقام کے متعلق ہم اوپر پیش کر چکے ہیں) یعنی یہ وعدہ تمام امت محمدیہ سے ہے خواہ وہ کسی زمانہ میں ہو لہٰذا ہر اُس زمانہ سے جس میں امت محمدیہ کا وجود پایا جاوے گا اس وعدہ کا تعلق ہوگا۔

دینی لحاظ سے تو اتنی قوی ہوگی کہ تمکین[۱] دین کا درجہ اُس کو حاصل ہوگا اور دنیوی حیثیت سے اتنی قوی ہوگی کہ خوف و ہراس کا اُسکے لیئے نام و نشان نہ ہوگا۔

چنانچہ اس آیت میں صاف صاف خوف کے رفع کرنیکا وعدہ فرمایا گیا ہے ملاحظہ ہو مکمل بیان القرآن میں اِس آیت کا ترجمہ اور تفسیر جسکو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں)

کیونکہ اس آیت میں صاف طور پر ولیبدلنّھم من بعد خوفھم امنا۔ ارشاد ہو رہا ہے یعنی صراحتاً فرمایا جارہا ہے کہ ضرور ضرور ہم اُن کے خوف کو مبدل بہ امن کر دینگے یعنی اُن کو خوف و ہراس نہ رہے گا اور ظاہر ہے کہ خوف اُسی وقت رفع ہو سکتا ہے کہ جبکہ اپنے اندر اتنی قوت ہو کہ ہم اپنے مخالف دشمن کو دفع کرسکیں گو ہم اپنے مخالف کے مقابلہ میں کثیر نہ ہوں مگر ہمارے اندر ایک خاص درجہ کی قوت ہونا ضروری ہے اگر اتنی قوت نہ ہوگی

---

[۱] چنانچہ اس آیت میں صاف صاف تمکین کے عطا فرمانیکا وعدہ ہے (ملاحظہ ہو مکمل بیان القرآن میں اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر جسکو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں)

کہ ہم اپنے مخالف دشمن کو دفع کر سکیں تو ہرگز ہم کو خوف سے نجات حاصل نہ ہو سکے گی۔

پس آیت میں خوف سے محفوظ فرمانیکا وعدہ فرمایا جارہا ہے اور اس وعدہ کے صادق آنیکے لئے ضروری ہے کہ اس حکومت کے اندر اتنی قوت ہو کہ وہ اپنے بڑے سے بڑے دشمن کی بھی مدافعت کر سکے لہذا اس حکومت کے لئے اتنی قوت ہو ناکہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کو نہ ڈرا سکے قرآن سے پورے طور پر ثابت ہو گیا اور ہم کو ایسی ہی حکومت کی ضرورت تھی پس یہ ہمارا تیسرا سوال اور درخواست تھی جو منظور فرمائی گئی۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ ناظرین کرام پر یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ اس آیت میں جو عطاء حکومت کا ہم سے وعدہ فرمایا گیا ہے یہ مخصوص نہیں خلفاء راشدین کے زمانہ کے ساتھ بلکہ قرب قیامت سے پہلے پہلے جب ہم چاہینگے اپنی یہ مراد پوری کر سکتے ہیں۔

خلاصہ مقام یہ ہے کہ

اسوقت سب سے زیادہ اہم چیز جسکی مسلمانوں کو ضرورت ہے وہ خود اپنی حکومت ہے اور حکومت بھی کیسی ایسی ویسی نہیں بلکہ

وہ حکومت ضروری ہے کہ دنیا بھر کی بڑی سے بڑی سلطنت
بھی اُسکو اپنے سے خائف نہ کر سکے۔ اور اسلام کے تمام قوانین
پوری قوت کے ساتھ اُسکے اندر نافذ ہوں۔

پس یہی وہ نعمت ہے کہ جسکا قرآن پاک کی اِس آیت میں
حق سبحانہ تعالےٰ نے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے اور وعدہ
بھی کیسا کہ جو قسم کے ساتھ فرمایا گیا ہے (جیسا کہ اوپر بیان کردیا
گیا ہے) اور پھر کسی ضعیف درجہ کی حکومت کا نہیں بلکہ ایک
ایسی قوی حکومت کا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اُس کو
اپنے سے خائف نہ کر سکے۔

پس اے مسلمانوں تم جو اپنے لئے ایسی حکومت کو ناممکن اور
محال سمجھ رہے ہو خصوصاً حضرت امام مہدی علیہ لسلام سے
قبل تو ایسی ضروری نعمت کے حصول کو بالکل محال سمجھتے ہو بھلا
سوچو تو سہی اور غور تو کرو کہ جس چیز کے عطا فرمانیکا قادرِ مطلق حق
سبحانہ تعالےٰ وعدہ فرمائیں اور پھر وہ بھی ہر زمانہ کے لئے اور قسم
کھا کر تو کیا دنیا بھر میں اُس سے زیادہ یقینی کوئی دوسری چیز ہو
سکتی ہے ہم نے مانا کہ تمہارے اندر طاقت نہیں مگر اُن کے اندر
تو طاقت ہے افسوس تم کو اپنا ضعف تو مایوس بنا دینے کے لئے

کافی ہوگیا مگر حق تعالےٰ کے وعدہ اور قسم پر سچائی کا وہ تمہارا ایمان اور یقین تمکو اُسکی اعانت اور امداد اور تائید کا اُمیدوار بنانے میں کافی نہ ہوسکا اگر ہم غور کرینگے تو اسکی وجہ سوائے اسکے کچھ نہیں کہ ہم کو اپنی قوت پر تو نظر ہے مگر حق سبحانہٗ تعالیٰ کی امداد و تائید پر نظر نہیں پس اس سے شبہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی قوت کی تو ضرورت سمجھتے ہیں مگر حق تعالیٰ سبحانہٗ کی تائید اور امداد کی ضرورت نہیں سمجھتے تو اے مسلمانوں خوب سمجھ لو کہ زمین کو آسمان سے تو پھر کچھ نسبت ہوگی مگر تمہارے عزم اور ہمت ضعیف کو حضرات صحابہ کے عزم اور ہمت اور استقلال قوی سے کچھ بھی نسبت نہیں مگر تاریخ اسلامی بھری پڑی ہے جس ورق کو چاہو کھول کر دیکھ لو تو تمکو معلوم ہوگا کہ باوجود حضرات صحابہ کے اس درجہ قوت کے اُن کو جو کامیابی ہوئی ہے وہ بھی اسیوقت ہوئی ہے کہ جب غیب سے نصرت حق عین وقت پر اُن کے پاس پہنچی ہے۔

پس جب تائید حق تعالیٰ کے بغیر حضرات صحابہ کو کامیابی اپنے مقابل کے سامنے نہ ہوئی تو ہماری تو حقیقت کیا ہے جو بغیر تائید حق تعالیٰ اپنے مقابل کے سامنے کامیاب ہوسکیں پس اصل چیز تائید حق ہے اور اسی پر ہماری نظر ہی نہیں یہی وجہ ہے

اگر ہمکو حق سبحانہٗ کی تائید پر اور اسکے وعدہ پر نظر ہوتی تو ہم اپنی (باقی صفحہ ۹۲ پر)

کہ جب ہم کو اس بدگمانی کی پاداش میں بمقتضاء حدیث قدسی انا عند ظن عبدی بی (میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں)
کوئی ناکامیابی ہوتی ہے تو اُس کے اندر اپنے کو مجبور سمجھکر خاموش رہنے کو معذور سمجھتے ہیں اور جب کامیابی عطا فرمائی جاتی ہے تو بجائے اِسکے کہ اُسکو تائید و نصرت غیبی پر محمول کریں دنیوی اسباب کے اتفاقیہ جمع ہو جانیکی طرف منسوب کر دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ کم ہمتی اور مایوسی جو حق تعالےٰ کے وعدہ پر پورا پورا یقین نہ ہونیکی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے ذرہ برابر اُسکے اندر کمی نہیں ہوتی اگر کہو کہ حق تعالےٰ کی تائید کی طرف ہماری نظر تو ہے مگر اُمید نہیں کہ جیسے اب تک ہوئی آئندہ بھی ہوگی تو واضح رہے کہ جیسے تم اسوقت اس خاص شان کی حکومت اسلامی کو محال سمجھ رہے ہو اسی طرح اس سے قبل تم دو اور چیزوں کو بھی محال سمجھ رہے تھے اُنہیں سے ایک تو انگریز کا ہندوستان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۱) قوت کی کوشش تو کرتے مگر بلا وجہ اس وجہ انتظار نہ کرتے کہ جس پر تا تریاق از عراق آورده شود مار گزیده مرده شود کی مثل بخوبی صادق آرہی ہے۔ ۱۲

ییں معدوم[1] ہوجانا اور دوسرے پاکستان کا ہندوستان کے اندر موجود ہوجانا۔

پھر دیکھو کہ چشم زدن میں حق تعالےٰ نے کسطرح ان دونوں محالوں کو ممکن ہی نہیں بلکہ واقع کر دیا۔ تو اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ جب تک کہ تم خواب غفلت میں پڑے سوتے رہے اور کوئی حکم اُسکا تم بجا نہ لائے تو اسوقت تک تو بیشک وہ تمہاری مدد کرتے رہے لیکن جب تم اُسکے وعدۂ قرآنی ان تنصروا اللہ ینصرکم الآیۃ سے کر اسکے احکام کی تعمیل کے لئے کھڑے ہوگے۔ اور دُنیا میں اُن کا بول بالا قائم کرنے یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سر کو ہتھیلی پر رکھکر آگے بڑھو گے تو ٹھیک اُسی وقت وہ اپنی تائید اور نصرت کو تم سے روک دینگے اگر یہ صحیح ہے (اور خدا کرے کہ ہرگز صحیح نہ ہو) تو پھر تم نے اپنے رب کی اتنی بھی قدر نہ کی جتنی تمہاری قدر تمہارا ایک نوکر کرتا ہے اور تم نے اپنے مولا کی طرف وہ بدگمانی جائز رکھی کہ جو بدگمانی تمہاری طرف تمہارا ایک نوکر بھی گوارا نہیں کرسکتا۔ البتہ وہ تائید اور اُس کا

---

[1] ناپید ہوجانا۔

وعدہ مشروط ہے دو شرطوں کے ساتھ اُنہیں سے ایک شرط ہے تقویٰ اور دوسری شرط ہے ظاہری مقابلہ۔

پس یہ وعدہ جو اس آیت میں اعطاء خلافت کا ہم سے کیا گیا ہے یہ وعدہ مطلق بلا قید نہیں بلکہ مقید اور مشروط ہے بعض شرائط کے ساتھ کہ اگر وہ شرائط پائے جائینگے تب تو یہ وعدہ ہے ورنہ نہیں مگر قابل غور اس مقام پر یہ امر ہے کہ وہ شرائط کیا ہیں سو عام طور پر اکابر مفسرین نے اس مقام کی شرح اور تفصیل میں صرف ایک ہی چیز پر روشنی ڈالی ہے اور وہ محض ایمان اور عمل صالح ہے جس کا حاصل تقویٰ[۱] ہے۔ یعنی جب تقویٰ پالیا گیا تو وعدہ کا ایفاء ضروری ہوگیا مگر ہمارے حضرت محی السنۃ حکیم الامۃ مجدد الملۃ اس مقام پر صراحتاً ارشاد فرماتے ہیں کہ اس اقتضاء کی شرط عادی ظاہری مقابلہ بھی ہے (یعنی احقر مؤلف رسالہ ہذا عرض کرتا ہے ۱۲)

---

[۱] اور تقویٰ کی حد تام الاجتناب عن الکبائر و عدم الاصرار علی الصغائر ہے جسکے لئے بعض مستحبات کا ترک مضر نہیں اگرچہ مستحبات بھی اعمال صالحہ میں داخل ہیں۔ فافہم

کہ اس آیت میں اُمت سے وعدہ تو بیشک ہے ایمان و عمل صالح پر حکومت دینے کا مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایمان و عمل صالح کا یہ اقتضاء (کہ حکومت حاصل ہو) نہیں ظاہر ہوتا ہے لہذا ایمان و عمل صالح کے باوجود حکومت کا حصول نہیں ہوتا پس حصول حکومت کے لئے ایمان و عمل صالح کے اس اقتضاء کا کا ظہور بھی ضروری ہوا حصول حکومت کے لئے اور اس اقتضاء کے ظہور کی شرط عادی ظاہری مقابلہ بھی ہے یعنی اگر کسی زمانہ میں باوجود ایمان اور عمل صالح اور تقویٰ کے پائے جانیکے جو ایسی حکومت مسلمانوں کو حاصل نہیں ہوئی اور اس سے شبہ ہو گیا تھا اس امر کا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنا وعدہ پورا نہیں فرمایا تو اس حکومت کے اس زمانہ میں حاصل نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ جو شرط تھی اس وعدہ کے پورا ہونے کی یعنی ظاہری مقابلہ اور جہاد وہ نہیں پائی گئی لہذا ایسی حکومت بھی نہیں پائی گئی پس ظاہری مقابلہ بھی ضروری ہوا حصول حکومت موصوفہ بالا کیلئے پس اگر ظاہری مقابلہ نہ پایا گیا تو اگرچہ ایمان و عمل صالح موجود ہوں مگر حکومت موصوفہ بالا حاصل نہ ہوگی یعنی ■ علاوہ حصول حکومت موصوفہ بالا موقوف ہے دو شرطوں پر انہیں سے ایک ایمان و عمل صالح یعنی تقویٰ اور دوسری شرط ظاہری

مقابلہ ہے جیسے اگر ایمان وعمل صالح نہ ہوگا تو حکومت موصوفہ بالا
حاصل نہیں ہو سکتی اگرچہ ظاہری مقابلہ پایا جاوے اسیطرح اگر
ظاہری مقابلہ نہ ہوا تو بھی حکومت موصوفہ بالا نصیب نہیں ہو سکتی
اگرچہ ایمان وعمل صالح یعنی تقویٰ پایا جاوے اب ناظرین کرام
کے لیئے قابل ملاحظہ یہ امر ہے کہ حضرت حکیم الامۃ نے جو اس
شرط عادی کا اظہار فرمایا ہے یعنی یہ کہ عادتاً اس خاص شان
کی حکومت کا وعدہ اس صورت میں ہے کہ جبکہ ظاہری مقابلہ
بھی پایا جاوے تو کیا اسکا اظہار فضول فرمایا ہے یا اس کے
بھی اظہار کے لئے کوئی ضرورت داعی[1] ہوئی اور اگر کوئی ضرورت
تھی تو وہ ضرورت کیا ہے اسکے جواب کے لیئے اس امر میں
غور کر لینا کافی ہے کہ واقع میں قرآن کے اندر اس آیت میں کہ جو

---

[1] کیونکہ حضرت حکیم الامۃ اپنی تفسیر مکمل بیان القرآن میں تصریح فرماتے ہیں کہ سوم نفس ترجمہ
کے علاوہ جس مضمون کو بہت ضروری دیکھا کہ اس کی توضیح ترجمہ کی موقوف ہے یا خود
کوئی شبہ قرآن کے مضمون سے ظاہر اً پیدا ہوتا تھا اُسکا جواب یا مضمون
قرآن کسی مشہور تحقیقات کے خلاف معلوم ہوتا تھا اُسکی تحقیق یا اُسی
قسم کی کوئی ضروری بات ہوئی اس کو ف بنا کر بڑھا دیا باقی لطائف باقی صفحہ ۹۷ پر

وہ آیت اور اُسکا ترجمہ اور تفسیر اوپر عرض کردی گئی ہے حق سبحانہٗ وتعالےٰ کے اس ارشاد کا کہ جسکا حاصل یہ ہے کہ اگر تم ایمان وعمل صالح کو اختیار کرو گے تو ہم تمکو ایسی حکومت عطا فرمائینگے مطلب کیا ہے سو یہ مسلم ہے کہ مثالوں کا موضوع[1] لہ یہی ہے کہ اُنکے ذریعہ سے افہام و تفہیم[2] میں آسانی ہوتی ہے پس اس کو بھی ایک مثال سے سمجھنا چاہیئے وہ یہ کہ ایک شخص ہے کہ اُسکو اولاد کی بجد تمنا ہے اور دل سے چاہتا ہے کہ میں صاحب اولاد ہو جاؤں ایک شب وہ خواب میں حضرت غوث اعظمؒ کی زیارت کرتا ہے تو دست بستہ ہو کر عرض کرتا ہے کہ حضرت میری یہ تمنا ہے کہ میرے اولاد ہو خدا کے واسطے کوئی وظیفہ یا عمل ایسا ارشاد ہو کہ جس سے میری مراد حاصل ہو حضرت غوث اعظمؒ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶ :- نکات یا طویل عریض حکایات یا فضائل یا بہت سے مسائل وغیرہا سے تفسیر کو طویل نہیں کیا گیا غرض یہ کہ مضامین کا جمع کرنا مقصود نہیں بلکہ محض حل قرآن و رفع ضرورت الی آخرہ خطبہ تفسیر بیان القرآن صـ۱ مکمل بیان القرآن جلد اول

[1] یعنی غرض۔ [2] سمجھانا

اُسکی تسلی تشفی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لو ہم تمکو ایک ایسا عمل
بتلاتے ہیں وہ ایسا تیر بہدف ہے کہ سو فیصدی کامیابی ہو اور
خاطر جمع رکھو انشاء اللہ تعالیٰ بالضرور تمہارے اولاد ہوگی اور اُس
شخص کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ جیسا ارشاد فرمایا ہے وہی ہوگا
اُسکے خلاف نہ ہوگا مگر قابل غور یہ امر ہے کہ وہ شخص خواب
سے بیدار ہوکر کیا کرے گا وہ شادی شدہ ہے تو کیا
اپنی بیوی کو طلاق دے دیگا یا اگر شادی شدہ نہیں ہے بلکہ
اپنی شادی کی فکر میں ہے تو کیا وہ اپنی شادی کی فکر ترک کردیگا
اور یہ گمان کرلے گا کہ اب مجھکو بیوی کی ضرورت نہیں رہی بلکہ
خود مجھ کو ہی وضع حمل ہوگا اور میں ہی بچہ جنونگا کیونکہ وعدہ اولاد کا
مجھ سے صراحتہً ہوگیا ہے اور اُسکے اندر عورت کی شرط مطلق
نہیں لگائی گئی یا یہ کرے گا کہ پہلے سے بھی زیادہ اپنی شادی کے
لیئے کوشاں ہوگا کیونکہ بڑے پیر صاحب نے شادی کی ضرورت
کی میرے لئے نفی بھی تو نہیں کی اور عادۃ اللہ یونہی جاری ہے
کہ بلا عورت کے اولاد نہیں ہوا کرتی۔ اسلیئے بڑے پیر صاحب
کے ارشاد میں گو صراحتہً اولاد کی شرط نہیں لگائی مگر حقیقی اور
متبادر معنے اس وعدہ کے یہی ہیں کہ اگر تم شادی کردگے اور

بیوی تمہاری موجود ہوگی اور اس عمل کو پڑھوگے تو اُس وقت اس عمل کے اقتضار کا ظہور ہوگا یعنی اولاد نصیب ہوگی پس اسیطرح گو اس آیت میں لفظوں میں ظاہری مقابلہ کی شرط مفہوم نہیں مگر اُس کی نفی بھی تو نہیں اور ابتدائے اسلام سے لیکر ابتک برابر اسکا مشاہدہ ہوتا چلا آتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی عادۃً[۱] یہی رہی ہے کہ جب اس وعدہ کا ظہور ہوا ہے (جو اس آیت میں فرمایا گیا ہے یعنی استخلاف وتمکین دین وتبدیل خوف بالامن کا جس کا حاصل ایک خاص صفات کی (حکومت) عطا فرمانے کا وعدہ ہے) ظاہری مقابلے کے بعد ہوا ہے خالی نماز[۲]

---

[۱] خرقِ عادت اس سے مستثناء ہے ۱۲

[۲] چنانچہ حضرات صحابہ کرام سے بڑھکر کس کا نماز روزہ ہو سکتا ہے ملاحظہ فرمائیے کہ تیرہ برس تک اور وہ بھی مکہ معظمہ میں رہ کر حضرات صحابہ نے جو کام کیا وہ نماز روزہ ہی تو تھا مگر مظالم برابر بڑھتے گئے اور ایسی حکومت جسکا وعدہ کیا گیا تھا اُن کو حاصل نہ ہوئی جب تک بعد ہجرت قتال کو استعمال نہیں کیا گیا تو ہمارا نماز روزہ تو حضرات صحابہ کرام کے نماز روزہ کے برابر قیامت تک بھی نہیں ہو سکتا تو پھر ہم لوگوں سے خالی لفظی پر کیونکر ایسی حکومت کا وعدہ ہو سکتا ہے۔ ۱۲

روزہ[۱] بھی اسکے لئے کافی نہیں ہوا تو پھر حقتعالیٰ کے اس ارشاد کے معنٰے بھی حقیقتاً[۲] یہی ہیں کہ جب تک ایمان وعمل صالح اور نماز روزہ وغیرہ کے ساتھ ظاہری مقابلہ نہ پایا جاویگا اُسوقت تک ایمان و عمل صالح کا یہ اقتضاء بھی نہیں پایا جا سکتا کہ مسلمانوں کو ایسی حکومت

---

[۱] احقر کے مضمون کا یہ جزو اور حاشیہ نمبر دو (۲) میں جو کچھ عرض ہے معنوی کے اعتبار سے ماخوذ ہے حضرت مرشدی حکیم الامتہ کے ایک ملفوظ سے جو آئندہ مفصلاً عرض ہے

[۲] احقر مؤلف عرض کرتا ہے اہلِ علم کی خدمت میں کہ :-

(۱) بدیہی امر ہے کہ کلام کے وہ معنٰے جو عادۃً کے موافق ہوتے ہیں وہی متبادر الی الذہن عند غلو القرائن ہوتے ہیں بشرطیکہ اُن کے خلاف کی تصریح نہ ہو۔

(۲) یہ مقدمہ بھی مسلمات سے ہے کہ معنٰے متبادر ہی حقیقت اور نص ہوا کرتے ہیں اور جب تک معنٰے حقیقی نہ بن سکیں مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جاویگا۔ (کذا فی نور الانوار ۱۲) اور محققین نے اس اُصول کی تصحیح کی ہے (ملاحظہ ہو مکمل بیان القرآن پارہ ۱۵ جلد ۶ صد منزل ۴ فی تفسیر آیت الاسراء تحقیق سوم و ملاحظہ ہو وعظ السرور صـ ۱۰۱) گو جس کو اُس عادۃ کا علم نہ ہو اُس مدلول کو وہ ظاہر نہ کہے۔ اور اگر کوئی صاحب

نصیب ہو لہذا جب تک تقویٰ اور ظاہری مقابلہ دونوں جمع نہ ہونگے ایسی حکومت حاصل نہ ہوگی پس جب یہ متعین ہو گیا کہ اس آیت میں جو ارشاد ہو رہا ہے اسکا مطلب ہے تو قرآن کے افہام تفہیم کیلئے

(بقیہ ۱۶۶) عادۃ کو بھی قرائن میں داخل کرنا چاہیں تو وعظ السرور ۱۶۶ کو دیکھ کر اپنی تشفی کرلیں اور یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے مواعظ میں بھی کیسے کیسے دقایق علوم پر روشنی ڈالی گئی ہے لہذا جب تک

لہذا جب تک وہ معنے جو عادۃ کے موافق ہیں موجود ہیں خلاف عادت پر لفظ کو محمول نہیں کیا جاسکتا واللہ تعالیٰ اعلم۔

مزید توضیح مقام یہ تو ظاہر ہے کہ مسلمان کا کوئی دعویٰ خواہ وہ کتنا ہی پر زور الفاظ میں کیوں نہ ہو جب تک قرآن وحدیث (اور چونکہ اجماع و قیاس خود قرآن سے ثابت ہے کما قال سیدی حکیم الامۃ قدس سرہٗ اسلئے یہاں حجج اربعہ کے لفظ کا استعمال ضروری نہیں سمجھا گیا ۱۲) سے مستنبط نہ ہو شرعی حیثیت سے ثابت نہیں کہا جاسکتا اور اثبات اور استنباط صحیح کے اصول چار ہیں اور وہ عبارت النص اور اشارۃ النص اور اقتضاء النص اور دلالت النص ہیں (کما صرح بہ فی الاصول) پس جب تک استنباط کے اندر ان اصول

نور الانوار ص ۱۲۱

ضروری تھا کہ اُس مطلب کو واضح کیا جائے ورنہ اگر حکیم الامۃ قدس سرہٗ بھی اس چھوٹے سے جملے کو اپنی تفسیر میں درج فرمانے سے دریغ فرماتے تو الفاظ قرآن کی زیارت تو ہو جاتی مگر معانی قرآن کا دیدار نصیب نہ ہوتا۔

(بقیہ صفحہ ۱۰۱) اربعہ کی رعایت نہ کیجاویگی کوئی مسلمان اپنے کسی دعوے کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ شرعی نقطۂ نگاہ سے بھی ثابت ہے اور ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ظاہری مقابلے کا شرط عادی ہونا جیسا کہ عقلاً صحیح ہے اسی طرح شرعی حیثیت سے بھی ثابت ہے لہذا ضرورت ہوئی کہ یہ بتلا دیا جاوے کہ یہ دعویٰ وجوہ دلالت مذکورہ بالا میں سے کس وجہ سے ثابت ہوتا ہے پس تقریر اُسکی یہ ہے کہ چونکہ ظاہری مقابلہ کو شرط[۱] قرار دیا گیا ہے اور شرط مشروط[۲] کے لئے لازم متقدم ہوا

(حاشیۃ الحاشیہ) [۱] قولہ شرط الخ یعنی استخلاف وغیرہ کی شرط کا مطلب یہ ہے کہ ایمان و عمل صالح جس چیز کے مقتضی (صیغۂ اسم فاعل ۱۲) ہیں اور وہ استخلاف وغیرہ ہے تو اُس استخلاف وغیرہ کو شرط قرار دیا گیا ہے اور ظاہری تقابل کو اُسکے لئے شرط ۱۲

[۲] قولہ مشروط کیلئے الخ پس یہاں ظاہری تقابل لازم متقدم ہوا استخلاف وغیرہ کیلئے تو گویا استخلاف وغیرہ اقتضاء ہے ایمان و عمل صالح کا۔ ۱۲

جس سے محرومی کے باعث اس مقام پر مفہوم قرآنی کے اندر جو عام طور پر التباس[۱] (یعنی دھوکا اور اشتباہ) ہو رہا ہے اور اس التباس کی وجہ سے اُمت جس عملی کوتاہی میں مبتلا ہو رہی ہے اُسکی اصلاح درجۂ تنبیہ تک نہ پہنچتی۔

(بقیہ) کرنی ہے تو ظاہری مقابلہ نص استخلاف (کہ یہی استخلاف وغیرہ اقتضاء ہے ایمان وعمل صالح کا) کے معنے موضوع لہٗ کا لازم متقدم ہوا اور نص کے معنے موضوع لہٗ کا لازم متقدم ہی ثابت باقتضاء النص کہلاتا ہے لہٰذا ظاہری مقابلہ ثابت باقتضاء النص ہوا پس موضع اظہار پر اس حقیقت کا اخفا ایک بڑی کمی تھی بس ضرورت تھی کہ اس حقیقت کو ظاہر کیا جائے جیسا کہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر میں اس کو ظاہر فرمایا فافہم وتدبر اور اگر کوئی صاحب اس معنے مذکورہ کے متعلق جسکو ثابت باقتضاء النص کہا ہے مدلول بعبارت النص یا اشارۃ النص ہونے کا دعویٰ کریں تو یہ ہمارے مدعیٰ کیلئے مضر نہیں بلکہ موجب مزید تقویت ہوگا۔ ۱۲

[۱] خصوصاً اس وجہ سے بھی یہ التباس قابل توجہ تھا کہ وہ التباس سبب ہو رہا تھا اس مقام پر ایک بڑے اشکال کا جس کا خلاصہ

(بقیہ آگے)

احقر بعونہ تعالےٰ تقریباً تیرہ چودہ سال مستقل طور پر محی السنۃ حکیم الامۃ مجدد الملۃ مرشدی حضرت مولٰینا محمد اشرف علی صاحب قدس سرہٗ کے دربار گہر بار میں مستقل حاضر رہا اس زمانہ میں احقر

یہ ہے۔

(بقیہ) (۱) اس آیت میں مومنین کاملین سے ایک خاص شان کی حکومت کا وعدہ فرمایا گیا ہے جس کے اندر دو وصف ہوں ایک تو یہ کہ وہ حکومت صحیح معنوں میں اسلامی حکومت کہی جاسکے دوسرے یہ کہ اس حکومت کے اندر مسلمانوں کو اپنے مدمقابل سے امن وآمان حاصل ہوگا

(۲) اس وعدہ کو بعض شرائط پر مشروط فرمایا گیا ہے اُن شرائط کا خلاصہ ایمان اور اطاعت کاملہ ہے۔

(۳) یہ وعدہ خلفاء اربعہ کے زمانہ کے مومنین کاملین ہی کے لئے نہیں بلکہ مجموعہ امت یعنی ہر زمانہ کے مومنین کاملین کے لئے عام ہے لہٰذا وعدہ کا مقتضاء یہ تھا کہ ہر زمانہ کے مومنین کاملین کو ایسی حکومت عطا ہوتی جو اپنے اندر دونوں اوصاف لئے ہوئے ہوتی یعنی جو صحیح معنےٰ میں اسلامی حکومت ہو اور اُسکے اندر مسلمانوں کو مدمقابل سے امن وامان ہو۔مگر خلفائے اربعہ تک (باقی ص۱۰۵)

نے وقتاً فوقتاً خود اس کا مشاہدہ کیا کہ جب مسلمانوں پر کفار کے
ظلم وستم کا بیان ہوتا تو حضرت حکیم الامۃ پر ایک خاص کیفیت کا

(بقیہ حاشیہ ملا) تو ایسی حکومت کا وجود مسلسل
رہا اور اس کے بعد بھی ایسی حکومت کا وجود پایا گیا مگر ہر
زمانہ میں نہیں بلکہ گاہ گاہ اور اب تو صدیاں گذر گئیں مسلمانوں
مگر ہر زمانہ میں نہیں بلکہ گاہ گاہ اور اب تو صدیاں گذر گئیں مسلمانوں
نے خواہ مومنین کاملین ہوں یا غیر کاملین ایسی حکومت کی صورت نہیں
دیکھی حالانکہ اس اُمت محمدیہ زادھا اللہ شرفاً میں ہمیشہ ایک جماعت
گو وہ قلیل ہی ہو ضرور موجود رہی ہے جو صحیح معنوں میں الذین اٰمنوا
وعملوا الصّٰلحٰت کا مصداق ہوسکتی تھی کہ ایسی ہی جماعت سے یہ وعدہ فرمایا
گیا ہے لہٰذا اس وعدہ کا ظہور کہاں ہوا تو اس وعدہ کا ایفاء اس وقت
ہوتا کہ جب کہ اس خاص شان مذکورہ بالا کی حکومت ہر زمانہ میں مسلمانوں
کے اندر پائی جاتی حالانکہ ایسا نہیں بلکہ صدیاں گذر گئیں ایسی حکومت کا
مسلمانوں کے اندر نام ونشان بھی نہیں یہ تھا وہ شبہ جو کسی سے حل نہ ہوسکا تھا لیکن حضرت حکیم الامۃ نور اللہ
تعالیٰ مرقدہٗ کی تفسیر مکمل بیان القرآن کیطرف رجوع کرنیکے بعد جب اس
ارشاد کا مطلب واضح ہوجاتا ہے تو پھر شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی (باقی ملا)

در و د مشاہدہ کیا جاتا آنکھیں سے۔ رخ نظر آنے لگتیں اور حاضر باش
کو بداہتاً محسوس ہوتا تھا کہ حضرت بیچینی کے ساتھ کسی چیز کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵) کیونکہ یہاں اس آیت میں اس خاص شان کی حکومت
کا وعدہ صرف اس صورت میں ہے کہ جبکہ ایمان اطاعت کاملہ
کے ساتھ ظاہری مقابلہ بھی ہو۔

اور اگر ایک چیز ہوئی اور دوسری نہ ہوئی مثلاً ایمان و طاعت
کاملہ تو موجود ہوئی مگر ظاہری مقابلہ (عدوتاً یا بقاءً) نہ پایا گیا تو اس
صورت میں ہرگز وعدہ نہیں جب وعدہ ہی نہیں تو وعدہ خلافی نعوذ باللہ کیسی
لہٰذا یہ شبہ بالکل کافور ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا نہیں فرمایا
اور مفہوم قرآنی کے متعلق لوگوں کا یہی التباس رہا ہے اسکا کہ بعض خاص
جماعتیں جنکی بنیاد محض تبلیغ ہی پر بیان کیجاتی ہے وہ نماز روزہ کی تو
تبلیغ کرتی ہیں اور یہ بھی اُن کا نہ صرف ایک قابلِ تحسین فعل ہے بلکہ نہایت
ضروری کام ہے مگر کفار کے ساتھ جہاد کی تیاری کی تبلیغ کی طرف
باوجودیکہ مسلمانوں کا مرکز قائم ہو چکا ہے ابھی تک اُن کی توجہ مبذول
نہیں ہوئی کاش ایسا بھی ہو جائے تو سونے پر سہاگا ہو جائے!

متمنی اور کسی وقت[1] کے منتظر ہیں ایک بار قرب وجوار کے ایک مسلمان نے کسی اپنی مستعدی کا اظہار کیا مسکرا کر فرمایا کہ اچھا اگر ضرورت ہوئی تو تم سے بھی جہاد کا کام لینگے اسی طرح احقر کے دوست جناب شیخ حافظ صغیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو بظاہر جامع ملفوظات کی حیثیت سے رکھے گئے تھے اُنکے متعلق ایک بار حضرت حکیم الامۃ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اُن کو سیاسی کام کیلئے رکھا تھا ایک بار صوبہ سرحد کیطرف کے ایک (خادم درویش) والی ریاست نے تعلقات دوستانہ کو جو حضرت کے ساتھ وہ رکھنا چاہتے تھے وسیع کرنا چاہا تو حضرت نے اُس سے عذر ظاہر فرمایا مگر یہ فرمایا کہ ہاں وقت آئیگا تو ایک

---

[1] یہاں پر حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کا ایک دوسرا ملفوظ (مندرجہ قصص الاکابر حصہ دوم ص ۲۵/۱۴۵ پچیس بٹہ ایکسو پینتالیس رسالہ الہادی ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ مطبوعہ دہلی) کا مطالعہ مزید سکون واطمینان اور دلچسپی کا باعث ہوگا۔ ۱۲

کام یعنی جہاد کا کام آپ سے لیا جاویگا۔

غرضیکہ یہ تو بدیہی بات تھی کہ شوق جہاد میں حکیم الامتہ چور رہتے تھے
مگر اس کی وجہ دو ہی سمجھ میں آتی تھیں ایک تو یہ کہ منجملہ اعمال صالحہ کے
جہاد بھی ایک عمل ہے دوسرے جذبۂ فاروقی جو حضرت کا ایک
فطری امر تھا مگر ایک بار جب حضرت حکیم الامتہ نے ایک ملفوظ
ارشاد فرمایا نیز حضرت حکیم الامتہ کی تصنیف بیانُ القرآن کا مطالعہ
نصیب ہوا اُسوقت سمجھ میں آیا کہ زیادہ تر اسکی وجہ ایک تیسرا
امر ہے وہ یہ کہ جہاد کا کام نہ صرف ایک عمل صالحہ ہی ہے بلکہ
اِس وقتِ موجودہ میں بشرطِ وجود شرائط نہ صرف ضروری ہے
بلکہ موقوف علیہ ہے رفعِ مصائب اسلام کا چنانچہ بزمانہ ۱۳۵۷ھ
تیرہ سو ستاون ہجری میں جب تھانہ بھون میں قصبہ سے باہر ذرا
فاصلہ پر مسلم لیگ کا جلسہ ہوا اسکے اندر حضرت حکیم الامتہ کے
خدام بھی شریک تھے اُس جلسے کے اندر حضرت حکیم الامتہ کیطرف
سے ایک تحریری بیان بعض خدام نے سنایا تھا جسکی سرخی یہ ہے کہ مسلم
لیگ کثیر الاجتماع[1] جلسہ میں حضرت حکیم الامتہ مولانا شاہ اشرف علی صاحب

---

[1] اس اجتماع کے متعلق اُس مقام میں تصریح ہے کہ تقریباً دس ہزار کا مجمع تھا۔

بیان اور جسکا ایک جزء یہ ارشاد بھی ہے کہ اور تمام مسلمانوں
عموماً مشورہ دیتا ہوں کہ ہر شخص اپنی ہمت کے موافق مسلم لیگ
کی ترقی اور شرعی حیثیت سے جو اس میں کوتاہی ہے اس کی
اصلاح اور مسلمانوں کی تنظیم کے لئے پوری کوشش کرے !الخ

اور اس بیان مبارک کا ایک جزء یہ بھی ہے کہ "حضرات
جنگ آئینی ہو یا غیر آئینی مسلمانوں کو بجز خدا کے کسی کی امداد کی ضرورت
نہیں اور امداد الٰہی کی شرط احکام الٰہی کی پابندی ہے جس کا
سیکڑوں برس تک تجربہ کیا جا چکا ہے جب تک مسلمان سچ مچ
الٰہی دیوانے بنے رہے دنیا اُن کی جوتیوں سے لگی رہی اور جوں
جوں اُس میں کمی آتی گئی مسلمان ترقی سے محروم ہوتے گئے حضرت
فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مصر اور اسکندریہ کی فتح
کے لئے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر لشکر بناکر
بھیجا تو جس طرف یہ خدائی لشکر رُخ کرتا فتح و نصرت آنکے قدموں
پر گرتی تھی مگر اسکندریہ کی فتح میں معمول سے زیادہ کچھ دیر ہو گئی
یعنی تین مہینہ تک مسلمانوں کو اس کا محاصرہ کرنا پڑا حضرت فاروق اعظم

تفنیہ صــ ، دیکھو تقویم المسلمین صــ ۱۲ مطبوعہ انوار بکڈپو لکھنؤ۔

کو یہ تاخیر بارِ خاطر ہوئی اور آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا " حمد صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ مجھے حیرت ہے کہ آپ کو فتح اسکندریہ میں اتنی دیر کیوں لگی آپ تو ہمیشہ سے جہاد میں رہتے ہیں اور ہر کام میں تجربہ کار ہیں پھر اس تاخیر کی وجہ اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ تمہاری نیت میں کوئی تغیر آگیا ہے اور تم دنیا سے اسی طرح محبت کرنے لگے ہو جیسے تمہارے مخالف اسمیں مبتلا ہیں حق تعالےٰ خلوص نیت کے بغیر فتح نہیں دیتا۔ پس جس وقت میرا یہ خط پہنچے فوراً لوگوں کو جمع کر کے جہاد کی ترغیب دیجئے اور مسلمانوں کو سمجھا دیجئے کہ ہر مسلمان اپنی ہر حرکت و سکون میں رب الارباب کی خوشنودی اور کلمۂ حق کی تبلیغ کا قصد کرے۔

حضرت ابن العاص کے پاس یہ والانامہ پہنچا تو آپ نے لشکر کو جمع کر کر خلیفۃ المسلمین کا خط پڑھکر سنایا اور سب کو حکم دیا کہ غسل و طہارت کے بعد دو رکعتیں پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعا کریں سارے لشکر نے اس حکم کی تعمیل کی اور نماز و دعا کے بعد اللہ تعالیٰ کی امداد کے بھروسہ پر ایک ہی ہلہ کیا تو میدان اُن کے ہاتھ تھا اور دشمن کی وہ زبردست طاقت جس

نے تین مہینے کی مدافعت سے شہر کا داخلہ ناممکن کر دیا تھا چنگیز ذلیل میں ایسی درہم برہم تھی کہ اسکا نام ونشان باقی نہ تھا یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جسکو عام مورخین نے لکھا ہے اور علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں تفصیل سے اسکو بیان کیا ہے۔ (الخ تقدیم المسلمین ملٰا ۔ ۱۲)

پس جب احقر یہ مبارک بیان سنکر اور کثیر الاجتماع جلسہ سے فارغ ہو کر جب احقر خانقاہ حاضر ہوا تو دو پہر کے قریب کا وقت تھا تو دیکھا کہ حضرت مرشدی حکیم الامۃ سہ دری میں رونق افروز ہیں احقر ہمت کر کر اس غیر معمولی وقت میں خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت تنہا ہیں خدام میں سے کوئی صاحب اسوقت حضرت حکیم الامۃ کے پاس تشریف نہ رکھتے تھے تو احقر نے جلسہ کا حال عرض کرنا شروع کیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھ پہ تو گریہ طاری ہو گیا میں تو جلسے میں روتا رہا مسلمانوں کی موجودہ حالتِ زار دیکھکر حضرت حکیم الامۃ نے اول تو اس احقر پہ اظہار شفقت فرمایا اسکے بعد ایک تقریر دلپذیر ایسی عجیب و غریب فرمائی کہ اگر اسکو سیاست کے ساتھ کتاب و سنت کا لب لباب کہا جائے تو بجا ہے اور خاص اس زمانہ کے ایسے واقعات کا احقر پر اظہار فرمایا کہ جس سے احقر بالکل بے خبر تھا پس احقر کو اس واقعہ کا جو جزیہاں بیان کرنا مقصود ہے

وہ یہ ہے کہ حضرت حکیم الامۃ نے اُس تقریر کے دوران میں
یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اب اِس زمانے میں مولوی فلاں اور مولوی
فلاں میرے پاس وہ مضمون لکھکر لائے جو اس جلسے میں میری
طرف سے پڑھا گیا ہے تو اس مضمون کے اندر انھوں نے لکھا
تھا کہ بعض لوگوں کو جب نماز کی ترغیب دیجاتی ہے تو وہ جواب
میں یوں کہتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو ملاحدۂ یورپ کے
مقلد ہیں کہ خالی نماز روزہ سے کیا ہوتا ہے الخ تو میں نے (یعنی
حضرت حکیم الامۃ نے") اُنکے مضمون کے اُس جزء کی اصلاح کی
اور میں نے اُن سے کہا کہ جیسے یہ غلط ہے کہ نماز روزہ کو کامیابی
میں کیا دخل اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ خالی نماز روزہ کامیابی کے
لئے کافی ہے بلکہ دلائل اِسکے شاہد ہیں کہ خالی نماز روزہ سے کبھی
کامیابی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہوسکتی ہے بلکہ ایک دوسری چیز
کی بھی ضرورت ہے اور وہ چیز قتال جہاد ہے کیا مکہ میں نماز روزہ
نہ تھا بھلا صحابہ سے بڑھکر نماز روزہ کس کا ہوسکتا ہے مگر باوجود اسکے
دیکھ لیجئے کہ مکہ کے اندر مسلمان اتنے دنوں تک رہے مگر غلبہ
نہ ہوا جب ہجرت ہوئی قتال ہوا اُسوقت غلبہ حاصل ہوا تمام تاریخ
اسلامی اُٹھا کر دیکھ لو کہیں اسکی نظیر نہ ملیگی کہ خالی نماز روزہ سے

مسلمانوں کو غلبہ ہوا ہو البتہ ضروری نماز روزہ بھی ہے -
غلبہ کی حیثیت :- سے نماز روزہ اور قتال میں فرق یہ ہے کہ نماز روزہ تو شرط ہے۔ غلبہ کی اگر نماز روزہ اور اطاعت ہوگی تو غلبہ ہوگا اور جہاد علت[1] ہے غلبہ کی گو نماز روزہ فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے مگر غلبہ کی علت[۲] جہاد ہے۔ اسکے بعد میں

---

[1] اور یہی راز ہے اسکا کہ اس آخری زمانے میں وہ دو جماعتیں کہ اُن میں سے ایک وہ جماعت ہے جو ۱۲۴۵ھ سے قبل تھی کہ اسکو حضرت سیّد احمد صاحب بریلوی قدّس سرہٗ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور دوسری وہ جماعت جو اُن کے بعد بعض اطراف میں وجود میں آئی کہ اُن دونوں جماعتوں کے متعلق یہ ثابت ہے کہ اُن کے اندر تقویٰ طہارت تھا جو شرط ہے غلبہ کی مگر باوجود ان کے اُنکو کفار پر غلبہ حاصل نہیں ہو سکا کیونکہ وہاں پر شرط تو موجود رہی غلبہ کی لیکن غلبہ کی جو علت تھی وہ ترک ہو گئی لہٰذا کفار پر غلبہ کہ وہ معلول تھا وہ بھی نہیں پایا گیا چنانچہ اوّل الذکر جماعت کے متعلق حضرت حکیم الامّۃ قدس سرہٗ کا ارشادِ گرامی خاتمۃ السوانح ص۱۲۱ مطبوعہ امداد المطابع ۱۳۶۳ھ میں موجود ہے کہ فرمایا حضرت سیّد صاحب کو جہاد میں ناکامی اسوجہ سے ہوئی کہ جن لوگوں پر اعتماد کیا

سے نے اُن سے کہا کہ اس بیان کے اندر ایک مضمون کا اور اضافہ کر دو
اور وہ مضمون وہ قصہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

(بقیہ صفحہ ۱۱۳) اعتماد کیا وہ قابل اعتماد نہ تھے شدت کے وقت ساتھ نہ دیا
انتہی الملفوظ۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت سید صاحب کے معتمدین
حضرت سید صاحب ہی کے سامنے ہی قتال سے گریز کرنے لگے تھے تو سید
صاحب کے بعد تو وہ کیا قتال کرتے لہذا حضرت سید صاحب کے
بعد جب قتال ترک ہو گیا جو کہ علت تھی غلبہ کی لہذا غلبہ بھی مفقود ہو گیا پس
باوجودیکہ تقویٰ طہارت اُس جماعت میں موجود تھا جو کہ شرط ہے غلبہ کی
مگر چونکہ علت غلبہ کی مفقود ہو گئی تھی اسلئے غلبہ حاصل نہ ہو سکا اور یہ شبہ
نہ کیا جاوے کہ حضرت سید صاحب تو آخر وقت تک جہاد فرماتے
رہے یہانتک کہ شہید ہو گئے تو قتال ترک کہاں ہوا جواب یہ ہے کہ
قتال کے علت ہونے کے معنے یہ نہیں کہ ایک مرتبہ کا قتال ساری عمر کے
لئے کافی ہو جائے اگر یہ بات ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد سے بڑھ
کر کسکا جہاد موثر ہو سکتا ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دیکھ
لیجئے کہ خلفائے راشدین کو کس شدومد کے ساتھ جہاد کرنا پڑا بلکہ قتال کے
غلبہ کی علت ہونے کے معنے یہ ہیں کہ جب کبھی بھی ضرورت ہو تب ہی

زمانہ کا ہے کہ انھوں نے عمرو بن العاص کو مصر اور اسکندریہ کی فتح کے لئے امیر لشکر بنا کر بھیجا تھا تو اس قصّہ کا اُس بیان کے اندر ہیں نے اضافہ کرایا ہے چنانچہ وہ قصہ اُس بیان میں موجود[1] ہے اُس واقعہ کے اندر جو چاہے مشاہدہ کرے کہ حضرت عمرؓ

(بقیہ حاشیہ صلا) قتال ہو تو جب حضرت سید صاحب کے سامنے ہی پھر وہ بھی جو معتقدین تھے گریز کر بیٹھے تو حضرت سید صاحب کے شہید ہو جانیکے بعد اُن سے کیا اُمید ہو سکتی تھی کہ قتال کرتے چنانچہ حضرت سید صاحب اور مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب وغیرہ حضرات کے بعد پھر ثابت نہیں کہ اِن حضرات کے باقی ماندہ متبعین نے جہاد کو اُس باقاعدہ طریقہ سے جاری رکھا ہو جیسا کہ حضرت سید صاحب کے سامنے تھا اور گو یہ باقی ماندہ جماعت ترکِ قتال میں اُسوقت شرعاً بھی معذور ہوں مگر قتال کا وجود تو نہیں پایا گیا جو علت تھی غلبہ کی پس جب تک قتال ہوتا رہا حق تعالےٰ اُس جماعت کو غلبہ بھی دیتے رہے حتیٰ کہ جس معرکہ میں حضرت سید صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحب کی شہادت ہوئی ہے (باقی صلا پر)

---

[1] اُس قصہ کو اُوپر نقل کر دیا گیا ہے اِسی رسالہ میں

سے نے مسلمانوں کے غلبہ کے لئے دونوں باتوں کا حکم دیا اوّل
استغفار و ذکر اللہ کا اُسکے بعد قتال کا چنانچہ دونوں حکموں پر
عمل کرنیکے بعد مسلمانوں کو غلبہ ہوا۔
پس ثابت ہوا کہ دونوں ہی باتوں کا حکم ہو رہا ہے اور

(بقیہ ص۱۱۵) اُس معرکہ میں بھی غلبہ مجاہدین ہی کو رہا (چنانچہ حضرت امیر شاہ
خانصاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہ بحیثیت ثقاہت و قوت حافظہ
وغیرہ اُنکی روایات روایات الامیر امیر الروایات کا صحیح مصداق
ہوتی تھیں امیر الروایات میں اس کی تصریح فرمائی ہے) اُسکے بعد
جب قتال موقوف کردیا گیا جو علت تھی غلبہ کی تو غلبہ بھی مفقود ہوگیا
(اور "قتال کے جاری رکھنے سے مراد یہ ہے کہ جب بھی ضرورت
ہو قتال کی "قتال کیا جاتا رہے)
اور مؤخر الذکر جماعت کے متعلق خود احقر مؤلف رسالہ ہذا نے
مقامی ثقات سے یہ بسند معتبرہ شرعیہ سنا ہے کہ جب تک
مسلمان "قتال کرتے رہے برابر کامیاب ہوتے رہے باوجودیکہ
مسلمان بے سروسامان تھے اور کفار کی باقاعدہ فوج ہر طرح
کے سامان حرب سے مصلح تھی لیکن محض ایک روایت (باقی ص۱۱۷ پر دیکھ

مسلمانوں کا غلبہ دونوں ہی چیزوں پر موقوف ہے اور یہ
میری رائے آج سے نہیں ہمیشہ سے ہے۔ بلکہ میں نے

سہارنپور میں ایکبار وعظ کہا تھا تو اس مضمون کو قرآن سے ثابت
کیا تھا جسکو سنکر مولانا خلیل احمد صاحب بہت خوش ہوئے تھے

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۶) کی بنا پر کہ عنقریب مقابل کا ایک لشکر عظیم مقابلہ
پر آنیوالا ہے مسلمان ایسے متأثر ہوئے کہ سوائے معدودہ چند
افراد کے بقیہ بلا مقابلہ قتال کو ترک کر کے متفرق مقامات میں
منتشر ہو گئے (جسکی وجہ سے اُن افراد کو بھی وہی کرنا پڑا جو حضرت
موسیٰ علیہ السلام کو جبکہ بنی اسرائیل نے اُن کا ساتھ چھوڑا تھا کرنا
پڑا تھا یعنی اُس موقعہ پر جہاد کا ارادہ ترک کر دیا) بلکہ خود حضرت
حکیم الامتہ قدس سرہٗ کے وہ الفاظ مبارک جو اِس واقعہ کے متعلق احقر
کے کانوں کو سننا نصیب ہوئے ہیں وہ بفضلہ تعالیٰ اب تک
محفوظ ہیں کہ ارشاد فرمایا کہ مسلمان خواہ مخواہ بھاگے۔ انتہیٰ الملفوظ
اس سے یہ ثابت ہوا کہ قتال سے گریز کیا گیا۔
پس یہاں بھی چونکہ قتال جو کہ علت تھی غلبہ کی مفقود ہو گیا (باقی ص۱۱۸)

میں نے بیان کیا تھا کہ حق تعالے ارشاد فرماتے ہیں (یا اَیُّھَا الَّذِینَ امنوا اِذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون پارہ ۱۰ علو رکوع ۱) یعنی حق تعالے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے مسلمانوں تم جو فلاح کے طالب ہو تو اُس کا طریقہ ہم تمکو بتلاتے ہیں اور

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۷) یا سلئے غلبہ جو معلول تھا وہ بھی نہیں پایا گیا اور اگر کہیں جہاد باقاعدہ جاری رہا مگر پھر بھی غلبہ کفار پر نہیں ہوا تو اگر کبھی شاذ و نادر ایسا ہوا بھی تو وہاں جب بھی دیکھا جاویگا یہ حقیقت پائی جاوے گی کہ وہاں شرط یعنی اطاعت میں نقص واقع ہوگیا تھا۔ (ذیل کا حاشیہ نمبری ۲ ص۱۳ کے متعلق ہے)

۲ھ وکون الشئ شرطا للمجموع وعلۃ لبعض اجزاءہ لیس بمستحیل کطلوع الشمس بالنسبۃ الی مجموع یوم الفطر والی نہار ذالک الیوم۔ فان طلوع الشمس شرط لمجموع یوم الفطر وعلۃ لنہار ذالک الیوم ۱۲۔ جلیل احمد عفی عنہ۔

وہ یہ ہے کہ جب قتال کی ضرورت ہو تو صرف یہ کافی نہیں کہ حملہ کرکے منتشر ہو جاؤ بلکہ کفار کے مقابلہ میں جمکر قتال کرو اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو پس جب تم ان دونوں حکموں پر عمل کرو گے اسوقت تم کو فلاح حاصل ہو سکے گی۔ ۱۲)

اس آیت میں فلاح کو دو چیزوں پر موقوف فرمایا گیا ہے یعنی ایک تو ثبات در قتال دوسرے اطاعت۔

پس ثابت ہوا کہ جب تک اطاعت کے ساتھ قتال نہ ہوگا اسوقت تک مسلمانوں کو فلاح میسر نہیں ہو سکتی انتہی اسکے بعد حضرت حکیم الامۃ نے احقر سے ارشاد فرمایا کہ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ باوجودیکہ بغیر قتال کے صحابہ کو نہ غلبہ ہو سکتا تھا نہ ہوا مگر تیرہ برس مکہ معظمہ میں گذر گئے اور سخت سے سخت ایذائیں مسلمانوں کو پہنچیں لیکن قتال کی اجازت نہ ہوئی اور اسکا حکم نہ آیا یہانتک کہ جب مسلمانوں نے ہجرت اختیار کی اور مدینہ میں مستقل قیام اختیار کیا تب آیت اجازت قتال نازل ہوئی اور قتال کی اجازت ہوگئی تو اسکی کیا وجہ کہ قتال کی اسقدر تو ضرورت تھی مگر جب تک کہ ہجرت واقع نہ ہوئی

اُسوقت تک قتال کی اجازت نہ ہوئی احقر نے عرض کیا کہ حضور اسکی وجہ کیا تھی کہ قبل ہجرت کے مسلمانوں کے پاس ہتھیار اور سامان نہ تھا ارشاد فرمایا کہ اجی ہتھیار تو خود مقابل ہی سے لیلئے جاتے ہیں۔ اب اس زمانہ کے قریب ہی کا قصہ ہے کہ مہدی سوڈانی کو دیکھو وہ لوگ بھی کہ باوجودیکہ اُنکے مقابل کے پاس ہر قسم کا سامان تھا اور اُن کے پاس نہ تھا مگر وہ مشقت کر کر جتنے راستے میں مر گئے مر گئے باقی جو رہ گئے وہ مقابل کے پاس پہنچکر اُن کے ہتھیار چھین کر اُنھیں سے لڑتے تھے اور جب اس زمانہ کے لوگوں کا یہ حال ہے تو صحابہ کا تو کہنا ہی کیا ہے تو قلتِ سامان تو وجہ تھی نہیں اسکی محققین نے تصریح کی ہے احقر نے عرض کیا کہ حضور پھر کیا وجہ تھی ارشاد فرمایا کہ اگو بجز قلت سامان کے دوسرے بھی مصالح ہوں مگر) میرے نزدیک اسکی وجہ یہ بھی تھی کہ مکہ میں مسلمانوں کا کوئی مرکز نہ تھا۔ اور جہاد کے لئے مرکز ضروری ہے اور ہجرت کے بعد مسلمانوں کو مدینہ پہنچکر مرکز حاصل ہوگیا بس یہ وجہ تھی کہ ہجرت کے قبل مکہ میں قتال کی اجازت نہ ہوئی اور مدینہ پہنچکر اجازت ہوگئی مگر اب اسوقت[1] بھی دشواری یہ ہے کہ مسلمانوں

[1] اُسوقت پاکستان نہ بنا تھا۔

کا کوئی مرکز نہیں لہٰذا سخت ضرورت ہے کہ مسلمانوں کا کوئی
مرکز قائم ہو دوسری چیز یہ ہے کہ کوئی امیرالمومنین ہو اور جس کو
امیرالمومنین بنایا جاوے اُسکے اندر تین صفات ہوں ایک تدین
دوسرے وہ سیاست سے واقف ہو اور تیسری صفت یہ کہ
اُسکے اندر ہمت ہو اب مشکل یہ ہے کہ بعض کے اندر تدین
تو ہے مگر سیاست سے واقفیت نہیں اور بعض کے اندر ہمت
نہیں انتہیٰ الملفوظ پس حضرت حکیم الاُمّت نے صرف یہی نہیں کیا کہ یہ بتلایا
کہ مسلمانوں کی فلاح کے لئے جیسے نماز روزہ کی ضرورت ہے اسیطرح
جہاد بھی ضروری ہے بلکہ نماز روزہ اور جہاد میں یہ عجیب وغریب
فرق کہ نماز روزہ یعنی اطاعت شرط ہے غلبہ کی اور جہاد علت[۱]
ہے غلبہ کی بالہام ربّانی سمجھا اور اِس حقیقت کو اُمّت پر ظاہر فرمایا
اور یہ حقیقت اپنی جدّت شان کے لحاظ سے جیسے بہترین

---

[۱] یہی راز ہے کہ امام مہدی کو جو غلبہ کامل ہوگا وہ بھی اسوقت ہوگا جب وہ
جہاد اور قتال کرینگے پس جب امام مہدی جیسی بابرکت ذات بلا وقتال
غلبہ نہیں حاصل نہ کرسکی تو ہم لوگوں کی تو حقیقت کیا ہے نیز حضرات صحابہ
کے واقعات کا تو اوّل ہی مشاہدہ کرا دیا گیا ہے ۔ ۱۲

مصداق ہے۔ ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر (داء من اہل المأة الحاضرة) کا اسی طرح مفید اور ضروری اس قدر ہے کہ اس ہی سے غفلت وجہ دار ہے دور حاضر میں مسلمانوں کی تمام تر ذلت اور مسکنت اور تنزل کا اور شرط و علت کی تفصیل یہ ہے کہ شرط وہ ہے کہ اگر شرط نہ پائی جاوے گی تو وہ چیز (یعنی مشروط) بھی نہ پائی جاوے گی لیکن اگر شرط پائی گئی تو اس چیز (یعنی مشروط) کا وجود ضروری ہرگز نہ ہوگا۔

اور علت وہ ہے کہ اگر وہ نہ پائی گئی تو وہ چیز یعنی معلول ہرگز نہیں پائی جا سکتی اور اگر علت پائی گئی تو اس چیز کا وجود ضروری اور لازمی ہو جائے گا (بشرطیکہ شرط بھی وہاں موجود ہو) مثلاً ایک انجن ہے جو بالکل ساکن کھڑا ہے اس کے اندر دو چیزیں ہیں ایک اسٹیم دوسرے اس کے پہیئے اب اگر اس انجن کو ہم حرکت میں لانا چاہیں تو ہم کو اسٹیم گرم کرنا ضروری ہو گا تب اس انجن کے اندر حرکت پیدا ہو گی اور ■ چلے گا تو اس میں شک نہیں کہ اس انجن کی حرکت کے لئے جیسے اسٹیم کی ضرورت ہے اسی طرح

---

¹ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی کے قلب پر اسکا خطرہ گذرا۔

اُسکے پہیئے بھی ضروری ہیں لیکن اُس انجن کی حرکت صرف
پہیوں کے موجود ہونے سے ضروری اور لازمی نہیں ہو جائیگی
(چنانچہ پہلے سے پہیئے تو چاروں موجود تھے مگر خاموش کھڑا تھا)
بلکہ انجن کو جو چیز حرکت اور چلنے پر مجبور کرتی ہے وہ اُسکے
اسٹیم کی حرارت ہے لہذا اسٹیم کے گرم اور تیار ہو جانیکے بعد
اُس انجن کی حرکت لازمی اور ضروری ہو جاتی ہے پس انجن
کی حرکت کے لئے پہیوں کو شرط کہا جاویگا اور اسٹیم کی تیاری
اور حرارت کو علت قرار دیا جاوے گا پس اسی طرح اسمیں
شک نہیں کہ مسلمانوں کے کفار پر غلبہ کے لئے دو چیزیں ضروری
ہیں ایک نماز یعنی اطاعت اور دوسرے جہاد جب تک
یہ دونوں چیزیں نہ پائی جاوینگی مسلمانوں کو کفار پر غلبہ نصیب
نہ ہوگا لیکن مسلمانوں کو کفار پر غلبہ محض نماز (اطاعت) کے
پائے جانے سے حاصل نہ ہو سکے گا (چنانچہ چودہ سو برس[۱۴])
سے ابتک ایسا موقع نہیں ہوا) البتہ جہاد مع شرائط پر عمل
اگر ہوتا رہا تو غلبہ کا وجود ضروری اور لازمی ہو جائیگا لہذا کفار
پر مسلمانوں کے غلبہ کے لئے نماز یعنی اطاعت کو تو شرط
کہا جاویگا مگر اُس غلبہ کی علت جہاد و قتال ہی کو قرار دیا جاویگا
پس نماز یعنی اطاعت اور قتال میں یہ فرق کہ اطاعت شرط ہے غلبہ کی اور قتال علت ہے غلبہ

کی یہ ہے وہ حقیقت کہ جسکو اس صدی میں ملہم حقیقی نے
صرف ہمارے حضرت جامع المجددین محی السنۃ حکیم الامۃ
سیدی ومرشدی ومولائی شاہ محمد اشرف علی قدس سرہٗ کے
قلب صافی اور صرف آپ کے قلب صافی پر القا فرمایا
کہ جسکے متعلق ہم بلا خوف تردید دعویٰ کرتے ہیں کہ ھذا
مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر (ای من
اھل المأۃ الحاضرۃ)

بڑھ سے بڑھ یہی تو ہوا کہ نماز دنکی تبلیغ کی گئی جہاد پر تقریریں
کی گئیں مضمون نکالے گئے رسالہ لکھے گئے اور بہت اچھا ہوا
نہایت ضروری کام تھا مگر اس سب کا حاصل یہی تو تھا کہ جیسے
اسلام کے اندر اور نیک کام موجب ثواب ہیں اسیطرح
اُن میں سے ایک جہاد بھی ہے لیکن تعصب اور تحزب اور
پارٹی بندی سے ہٹکر اور انصاف کو ظلم سے بچا کر ذرا ٹھنڈے
دل سے غور تو کیجئے کہ غلبہ علی الکفار کی حیثیت سے نماز یعنی
اطاعت اور قتال میں یہ فرق کیا اس صدی کے اندر کسی
کے بھی زبان وقلم سے نکلا ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست ؛ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۔ واللّٰہ واسع علیم ؕ یختص برحمتہٖ من یشاء ط

اور صرف یہی نہیں بلکہ وہ حقیقت یہی تھی کہ جسکے مجوب ہونیکی وجہ سے ہماری قوت عملیہ اس درجہ کمزور ہوگئی ہے کہ نماز کا وقت ہوگیا مگر نماز نہیں پڑھتے۔ کیوں۔ اسلئے کہ ابھی وضو تو کیا ہی نہیں جو شرط نماز ہے۔

ٹھیک اسی طرح مرکز قائم ہوگیا مگر جہاد کا نام ونشان نہیں کیوں اسلئے کہ ابھی ہمارے اندر قوت توانائی نہیں جو شرط جہاد ہے مگر یہ یاد رکھئے اور خوب یاد رکھئے کہ اگر ہمکو یہ معلوم ہوجاوے کہ نماز کو اگر وقت کے اندر نہ ادا کیا گیا تو صرف یہی نہیں کہ کل دوزخ میں جائینگے بلکہ آج روٹی بھی ہمکو نہیں نصیب ہوگی بالکل فاقہ ہوگا تو سب کاموں کو چھوڑ کر پہلے وضو کرینگے اور جب تک نماز سے فراغت نہ ہوجاویگی چین سے نہ بیٹھیں گے۔

اسی طرح اور ٹھیک اسی طرح اگر ہماری سمجھ میں یہ حقیقت آجاتی کہ مرکز قائم ہوجانیکے باوجود جہاد اگر نہ کیا گیا تو آخرت کا ذکر تو ابھی رہنے دیجئے اس دنیا ہی میں نصیب دشمناں ہم جہنم رسید ہوجائینگے اور وہ طوقِ غلامی جو ابھی ہماری گردنوں سے اُترا ہے اندیشہ ہے کہ بہت جلد پھر ہمارے گلے کا ہار بنجائیگا گو اتنا فرق ہوگا کہ پہلے

کوئی آقا تھا اب کوئی دوسرا آبنے گا۔ تو سب سے پہلے تھیاء للجہاد میں مشغول ہو جاتے اور رجب تک جہاد شروع نہ کر دیتے چین سے نہیں بیٹھتے۔

پس یہاں پہنچکر میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت حکیم الامۃ کا ایک خاص ملفوظ شریف بھی ہدیۂ ناظرین کروں تاکہ ہر طالب حق خود اپنے لئے کوئی صحیح راہِ عمل تجویز کر سکے۔

فرمایا[1] رات ایک بات قلب میں آئی ہے اور مجھکو اسکے حصول پر زیادہ مسرت یوں ہے کہ وہ بات الہامی ہے جو حق تعالیٰ نے قلب پر بیساختہ القاء فرمایا ہے میری کوشش اور تصرف کو اسمیں دخل نہیں وہ بات یہ ہے کہ اصل متبوع اور لائق اتباع تو حضور مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہیں لیکن آپکے بعد جو آپکے جانشین ہیں مثلاً فقہ کے اندر امام ابو حنیفہ اور انکے اتباع اور تصوف کے اندر حضرت معین الدین چشتی اور انکے اتباع اور خود اپنا شیخ بھی چونکہ وہ متبع ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسلئے اُن کا اتباع

---

[1] منقول از قول الجلیل حصہ دوم صفحہ ۲۲/۱۴ جزء الہادی ماہ صفر ۵۶ھ مطبوعہ جمال پرنٹنگ ورکس دہلی۔

بھی رسول ہی کا اتباع ہے مثلاً فقہ میں امام ابو حنیفہ کا اتباع
درحقیقت اصلی متبوع یعنی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع
ہے اسیطرح تصوف اور تربیت باطنی میں اپنے شیخ کی تعلیم کا
اتباع بھی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع ہے
جب ثابت ہوگیا کہ اتباع شیخ عین اتباع رسول ہے اسلئے اگر
کوئی شخص یہ چاہے کہ ہر امر میں اپنے شیخ کا اور اپنے شیخ کے
مذاق کا اتباع کروں تاکہ اسطرح سے رسول کا اتباع نصیب
ہوجائے تو اسکا طریقہ یہ ہے کہ جو واقعہ اپنے کو پیش آئے اور اسمیں
اپنے شیخ کا مذاق مشاہدے سے معلوم نہ ہو اسمیں غور کرے کہ اگر میرے
میرے شیخ کو یہ بات پیش آتی تو وہ کیا کرتا اسکے بعد جس شق کے
متعلق معلوم ہو کہ میرا شیخ اس شق پر عمل کرتا بس اسی شق کو
اختیار کرے کہ وہ شیخ کا اتباع اور واسطہ اتباع شیخ کے رسول اللہ
صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا اتباع ہو جائیگا اگر اسی طرح عمل کریگا
تو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی غلطی نہ ہوگی پس جب احقر نے اس حکم کی
تعمیل کا ارادہ کیا جو اشارۃً ہمکو اس ملفوظ شریف میں ہمکو دیا گیا ہے
(کیونکہ ہر جملہ خبریہ سے مقصود کوئی نہ کوئی انشا ہوتا ہے) تو اسپر
جو کچھ احقر کے فہم ناقص میں آیا اسکو خدام بارگاہِ اشرفیہ کے سامنے

اِس غرض سے پیش کرتا ہوں کہ میرے اس مفہوم کی اصلاح ہو جائے
وہ یہ کہ کام دو ہی ہیں ایک وہ جسکا تعلق اپنی ذات سے ہے
اور دوسرا وہ جسکا تعلق مجموعہ قوم سے ہے تو جو کام مجموعۂ قوم سے
تعلق رکھتا ہے اُسکے اندر تو حضرت حکیم الامت معذور تھے خصوصاً
جبکہ کوئی قومی مرکز بھی قائم نہ ہوا ہو کیونکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ عادتاً اور عموماً قوم کا کام
قوم ہی سے انجام پاسکتا ہے اور اگر کسی فرد واحد نے ایسے کام کو انجام دینا چاہا ہے تو بلا
شرکت قوم تنہا اُسکو انجام نہیں دیا اور دلیل ہمارے اس دعوے کی
وہ قصہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جو قرآن پاک میں قریب
نصف کے رکوع واذ قال موسیٰ الخ میں مذکور[۱] ہے۔

---

[۱] جسکا خلاصہ یہ ہے کہ جب فرعون کے غرق ہونیکے بعد بنی اسرائیل اُسکی
سلطنت اور املاک پر بفراغ خاطر قابض ہو گئے تو اب اللہ کو منظور ہوا کہ
اُن کا آبائی وطن ملک شام جہاں ابراہیم علیہم السلام اوّل ہجرت فرماکر آئے
تھے اُنکو دیں اور وہاں قوم عمالقہ کی حکومت تھی اسلئے اُن سے جہاد کرنیکا
حکم ہوا اور یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ تھے بارادہ جہاد شام
کیطرف چلے جب قریب پہنچے تو انھیں بارہ سردار دنکو جنکا ذکر رکوع کے
شروع میں آیا ہے تحقیق حال کیلئے جاسوس کے طور پر وہاں بھیجا عمالقہ نہایت
تنومند اور زور آور دکھائی دئے سب نے باہم عہد کیا کہ اُسکا اظہار
لشکر میں چلکر نہ کرنا چاہیئے لیکن بجز دو شخصوں کے جن میں سے ایک کا نام

پس جب حضرت موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر بھی کہ نبی بھی رسول بھی اس کلیہ سے مستثنا نہ ہو سکے بلکہ قوم نے جب اپنے کام سے انکار کر دیا تو بجائے اسکے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اس مقصد کیطرف اقدام کرتے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اہل سیر کی روایت کے موافق عوج بن عنق کا تنہا مقابلہ فرما کر اس پر غلبہ حاصل[۱] کیا اور اس کو ہلاک کیا اسی طرح تنہا اس خدمت کی انجام دہی میں کھڑے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸) یوشع بن نون اور دوسرے کا کالب ابن یوتنا تھا کہ دونوں اس عہد پر ثابت رہے باقی سب نے یہاں واپس آکر انکو ڈرا دیا انکی ہمتیں ہار گئیں اور مصر کو واپس جانیکا ارادہ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر چند انکو سمجھایا مگر بنی اسرائیل مطلق اس حکم کی تعمیل کیلئے آمادہ نہیں ہوئے یہانتک کہ آخر کار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ کام تو ساری قوم کا ہے اور وہ قوم اس کام کیلئے تیار نہیں ہوتی اور میرا قابو صرف اپنے نفس پر اور اپنے بھائی پر ہے تو حق سبحانہ تعالےٰ کے دربار میں عرض کیا کہ قال رب انی لا املك الا نفسی واخی الآیۃ اور صبر کر کر بیٹھ رہے۔

[۱] کیونکہ عملقہ قوم کے ایک فرد سے مقابلہ کرنا یہ قوم کا کام نہ تھا اور اس قوم سے جہاد کرنا یہ کام قوم کا تھا۔

ہو جاتے اُنکو بھی مجبور ہو کر آخر کار خاموش ہونا پڑا تو اگر کسی غیر بنی کو اس امر میں کہ جو کام ساری قوم کے کرنیکا تھا وہ اُسکو اکیلا نہ کر سکے معذور قرار دیا جاوے تو کونسے تعجب کی بات[1] ہے پس اگر حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ اسوقت اس عالم میں تشریف رکھتے[2] ہوتے تو اگر وہ اُس کام کو جو قوم کی انجام دہی پر موقوف تھا خود انجام نہ دے سکتے تو وہ کام جو خود حضرت حکیم الامۃ کی ذات سے تعلق رکھتا تھا اُسکی انجام دہی میں تو ہرگز کوتاہی نہ فرماتے اور وہ وہی کام تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا کہ حق تعالیٰ کا جو حکم تھا اُسکو قوم تک پہنچا دیا اور اُسکی تبلیغ کا حقہٗ کردی پس اتنا امر بدیہی ہے کہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ اسوقت تشریف رکھتے تو تبلیغ حق میں کوتاہی نہ فرماتے لیکن کیا یہ قرین قیاس ہے کہ جب تک مرکز میسر ہونا مسلمانوں کو محال معلوم ہو رہا تھا اسوقت تو حضرت حکیم الامۃ نے امر جہاد کیطرف

---

[1] اور شرائع من قبلنا اگر آن پر نکیر نہ ہو تو ہمارے لئے بھی حجت ہے۔

[2] ولا یقاس علی ماھم بہ سیدنا الصدیق۔ فانہ قیاس مع الفارق والفارق مانبہ علیہ الصدیق فے جواب من اورد علیہ حین عزم لقتال بعد وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ط

ایسی توجہ کی کہ اُسکی بنیاد کو ایسا مستحکم فرما گئے کہ صدیوں تک بفضلہ تعالیٰ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا۔ اور اس کے متعلق ایک ایسی عجیب و غریب حقیقت کا اظہار فرمایا کہ اُسکا اظہار کم از کم اس صدی کے اکابر میں سے تو کسی نے فرمایا نہیں اور زبانی نہیں بلکہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں اُسکی تصویر کا ایک رُخ کشادہ فرما کر اُسکی آشارہ کی تبلیغ کے بقاء کا بھی ایک ممتاز اور مستقل انتظام فرما گئے تو اب جبکہ بفضلہ تعالیٰ مرکز متعین ہو گیا تو اب عام احکام کی تبلیغ تو فرماتے مگر جہاد کی تبلیغ کو ترک فرما دیتے بس ہمکو بھی چاہئے کہ ہم مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بٹھلا دیں کہ مسلمانوں کی ترقی اور کفار پر اُن کا غلبہ موقوف ہے دو چیزوں پر ایک تقوے دوسرے جہاد مسلمان اگر یہ چاہیں کہ ان دونوں میں سے صرف ایک حکم پر عمل کر کر کامیابی حاصل کر لیں نہیں کر سکتے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ملاحظہ ہے کہ بنی اسرائیل نے جہاد سے انکار کیا کیونکہ وہ بھی قوم عمالقہ کے مقابلہ کی اپنے اندر قوت نہ دیکھتے تھے مگر باین ہمہ بنی اسرائیل پر جہاد سے گریز کرنے پر عذاب نازل ہوا۔ کیونکہ گو بنی اسرائیل اپنے نزدیک کمزور ضعیف ہوں مگر واقع میں تو وہ کمزور اور ضعیف نہ تھے کیونکہ اُنکے ساتھ اللہ تعالےٰ کی

تائید تھی جسکا علم اُنکو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہو چکا تھا پس
معلوم ہوا کہ اگر خواص کے نزدیک عوام الناس کا یہ عذر معتبر نہ ہو
بلکہ کفار کے مقابلہ میں کامیابی کی اُمید ہو تو پھر عذاب سے بچنے
کیلئے عوام الناس کی اس رائے کا اعتبار نہ ہوگا اور جب خواص کی
رائے کے مقابلہ میں عوام الناس کی رائے قابل اعتبار نہ ٹھہری تو
مجدد زمانہ جو کہ اخص الخواص سے ہوتا ہے اُسکے مقابلہ میں عوام الناس
کی رائے پر بدرجۂ اولیٰ مدار کار نہ ہوگا خصوصاً جبکہ ہماری غلطی پر خود
ہمارا قرآن بھی ہمکو متنبہ کر رہا ہو اور صاف ہمارے لئے تائید غیبی کا
ان الفاظ میں اعلان کر رہا ہو۔ یاایھاالذین اٰمنوا ان تنصرالله ینصر
کم ویثبت اقدامکم (پارہ ۲۶ سورۂ محمدؐ) اے ایمان والو اگر
تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کریگا جس کا
نتیجہ دنیا میں بھی مجموعہ مؤمنین کا مجموعہ کافرین پر غالب آنا ہے خواہ
ابتداً خواہ انتہاءً اور بعض مؤمنین کا مقتول ہوجانا۔ یا جماعت مؤمنین
کا کسی معرکہ میں مغلوب ہوجانا اِسکے منافی نہیں) اور (اسی طرح
دشمنوں کے مقابلہ میں) تمہارے قدم جمادیگا (اسیطرح کا مطلب
یہ ہے کہ مجموع بمقابلہ مجموع کے خواہ ابتدا ہی سے خواہ انتہا میں ثابت

ملحقات الترجمہ لہ قولہ تنصرالله دین اشارۃ الی تقدیر المضاف ۱۲

قدم رہکر کفار پر غالب آجاویگا چنانچہ مشاہدہ ہے الی آخرہ (مکمل بیان القرآن جلد ۱۱ منزل ۶ پارہ ۲۶) باقی رہا یہ امر کہ جب قتال میں کامیابی کا کوئی ظاہری سبب نہیں پایا جاتا تو پھر عوام الناس کا اطمینان کسطرح ہو۔ تو جواب اسکا یہ ہے کہ عدم علم[۱] سے علم عدم لازم نہیں آتا اگر عوام الناس کو اُس سبب کا علم نہیں ہوا کیونکہ اُن کی نگاہ نے وہاں تک رسائی نہ کی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خواص اور اخص الخواص کی نظر بھی وہانتک نہ پہنچی ہو اکثر اوقات اُس سبب کا وجود ہوتا ہے مگر اہل اللہ کے سوا دوسرونکی نگاہ وہاں تک نہیں پہنچتی یا اغراض نفسانیہ درمیان میں حائل ہو جاتے ہیں اور حضرات اہل اللہ کو جیسے تائید من اللہ تعالے کا علم ہوتا ہے جسکا ایسے موقعوں پر خاص طور پر وعدہ ہے اسی طرح کامیابی کے اُس سبب ظاہری کا بھی علم ہوتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر خواص کو قوم عمالقہ پر کامیابی کے اس سبب ظاہری کا علم تھا مگر بنی اسرائیل کی نگاہ وہاں تک نہ پہنچی تھی اور سبب ظاہری

---

[۱] تشریح مقام برائے حضرات عوام

یعنی کسی چیز کے موجود ہونیکا اگر ہمکو علم نہ ہو تو اُ سکے (باقی ص۱۳۴)

قوم عمالقہ کا ضعیف القلب ہونا تھا یعنی وہ لوگ تنومند تو
تھے مگر بزدل اتنے تھے کہ بنی اسرائیل کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر
سکتے تھے پس معلوم ہوا کہ کبھی واقع میں تو سبب کامیابی اور غلبہ
کے سبب کا وجود تو ہوتا ہے مگر اُسکے معلوم کرنیکے لئے عقل معاشی
کافی نہیں ہوتی بلکہ قوت قدسیہ کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ
اس سبب کے وجود کا حقیقی علم اہل اللہ کو تو ہو جاتا ہے مگر عوام الناس
کو نہیں ہوتا جیسے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو اُسکا علم ہو گیا

(بقیہ حاشیہ ص۱۳۳) یہ معنے نہیں کہ وہ چیز واقع میں بھی موجود نہیں بلکہ
ہو سکتا ہے کہ وہ چیز موجود ہو مگر ہمکو اُسکے موجود ہونے کا علم نہ ہو
جیسا کہ پہلے جب تک براعظم امریکہ کے وجود کا کسی کو علم نہیں ہوا تھا
تو اُسکے یہ معنی نہیں تھے کہ امریکہ پہلے واقع میں بھی دُنیا کے اندر موجود نہیں
تھا بلکہ وہ تو موجود تھا مگر ہمکو اُسکا علم پہلے نہ ہوا تھا اب آکر ہوا اسیطرح
علاوہ تائید غیبی کے علم کے خود کامیابی کے اُس ظاہری سبب کا بھی
علم اہل اللہ کو ہوتا ہے گو عوام کی نظر وہاں تک نہ پہنچے جیسے حضرت موسیٰ
علیہ السلام کو علاوہ تائید غیبی کے خود کامیابی کے اُس ظاہری سبب کا بھی
علم تھا اور وہ قوم عمالقہ کا بزدل ہونا تھا مگر بنی اسرائیل کی نظر یہانتک نہیں پہنچی تھی

مگر بنی اسرائیل کو نہ ہو سکا لہٰذا اگر مجدد کی کوئی تجویز عوام الناس
کی سمجھ میں نہ آئے اور اس وجہ سے وہ اس تجویز پر مطمئن نہوں
جسکی وجہ سے وہ اُس پر عمل نہ کر سکیں حالانکہ شرعاً اُس پر
عمل مطلوب ہو تو محض اسی عذر کیوجہ سے وہ معذور نہیں قرار
دئے جا سکتے جیسے کہ بنی اسرائیل معذور نہیں قرار دئے گئے
اور اگر کہا جاوے کہ جہاد کے کچھ شرائط ہیں اور وہ ابھی ہمکو
حاصل نہیں سب سے اوّل ہمیں اُسکی حاجت ہے کہ ہمارے
اندر اتفاق ہو مگر وہ ہمکو حاصل نہیں پھر سب سے ضروری
چیز یہ ہے کہ ہمارے سر پر کوئی ہمارا امیر المومنین ہو یہ ہمیں
حاصل نہیں لہٰذا جہاد کا ابھی کیا ذکر تو جواب اس کا یہ ہے کہ
نماز کے بھی تو کچھ شرائط ہیں تو اگر آپ کسی کو نماز کی تبلیغ
کریں اور وہ بھی جواب دے کہ جناب نماز کے کچھ شرائط
ہین کہ اُن میں سے ایک طہارت بدن ہے اور ایک
طہارت ثوب ہے اور اِن دونوں شرطوں میں سے ابھی
ایک بھی میرے اندر نہیں پائی جاتی تو ابھی میرے سامنے
نماز کا کیا ذکر۔ تو جیسے اُس کو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ جیسے
نماز فرض ہے اسیطرح نماز سے پہلے نماز کی تیاری فرض ہے

لہذا تجھ پر اپنے بدن کا پاک کرنا بھی فرض ہے اور اپنے کپڑوں کا پاک کرنا بھی فرض ہے کیونکہ نماز ان چیزوں پر موقوف ہے پس اسی طرح اس منکر جہاد کو یہ جواب کیوں نہیں دیا جاتا کہ جیسے جہاد فرض ہے اسیطرح تہیاء للجہاد یعنی جہاد کے لئے ہر ممکن طریقہ سے تیار ہو جانا اور جن جن چیزوں پر جہاد کا وجود موقوف ہے اُنکی تحصیل کی حتی الوسع سعی میں مشغول ہو جانا بھی تو ضروری اور مامور بہ ہے مثلاً سب سے اوّلاً جہاد و قتال کی جو خصوصیت ہمارے حضرت جامع المجددین محی السنۃ حضرت حکیم الامۃ کے قلب مبارک پر القاء فرمائی گئی ہے اُسکو لوگوں کے ذہن نشین کرے تاکہ مسلمانوں کی قوت عملیہ عدم سے ایکبار پھر وجود میں آجائے اُسکے بعد قوم مسلم کی تنظیم کر کر اُن کے اندر ایک ایسی منظم جماعت تیار کرنا کہ جسکے ہاتھوں میں اگر شمشیر ہو تو اُسکا ہر فرد سرتاپا اسلام کی متحرک تصویر ہو یہ بھی اُسی تہیاً للجہاد میں داخل اور مامور بہ اور ضروری ہے اِس تنظیم کا وہ عملی نظام کہ جو حضرت جامع المجددین حکیم الامۃ محی السنۃ قدس سرہٗ کے قلب

صافی پیرا القا فرمایا گیا اور جو مسلم قوم کی تنظیم شرعی کے لئے اُس کی تعلیم ایسی ہی ضروری ہے کہ جیسے نماز کے لئے طریقۂ نماز کی تعلیم اُسکو احقر نے اپنی کتاب الموسوم بہ جمہوری نظام[1] میں مکمل شائع کیا ہے اور اُس تہیا للجہاد کا امر اس آیت کریمہ میں ہے۔

(قرآن پاک پارۂ نہم واعلموا۔ رکوع پنجم)

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل

ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم وآخرین من دونھم

لا تعلمونھم اللہ یعلمھم وما تنفقوا من شیء فی

سبیل اللہ یوف الیکم وانتم لا تظلمون ○

ترجمہ و تفسیر از کمل بیان القرآن ص۱۲۸ جلد۔ ۴

امر بہ تہیہ قتال

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ (الی قولہ تعالیٰ) وانتم

لا تظلمون ○

اور ان کافروں (سے مقابلہ کرنے) کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اُس (سامان)

---

[1] اس کتاب کے ملنے کا پتہ ناظم کتبخانہ تجدیدات اشرفیہ متصل جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

کے ذریعہ سے تم (اپنا) رعب جمائے رکھو اُن پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور (تمہاری فکر میں رہنے کی وجہ سے) تمہارے دشمن ہیں (جن[1] سے شب و روز تمکو سابقہ پڑتا رہتا ہے) اور اُسکے علاوہ دوسرے (کافر) دن پر بھی رعب جمائے رکھو جنکو تم (بالتعیین[2]) نہیں جانتے (بلکہ) اُنکو اللہ ہی جانتا ہے (جیسے کفار فارس اور روم وغیرہم جن سے اُسوقت سابقہ نہیں پڑا مگر صحابہ کا ساز و سامان دفن سپہ گری اپنے وقت میں اُنکے مقابلہ میں بھی کام آیا اور اُن پر بھی رُعب جما بعض مقابل ہو کر مغلوب ہوئے بعض نے جزیہ قبول کیا کہ یہ بھی اثر رُعب کا ہے) اور اللہ کی راہ میں (جسمیں جہاد بھی آگیا) جو کچھ بھی خرچ کروگے (جسمیں وہ خرچ بھی آگیا جو ساز و یراق درست کرنے میں کیا جاوے) وہ (یعنی اُسکا ثواب) تم کو (آخرت میں) پورا پورا دیدیا جاوے گا اور تمہارے

البلاغۃ القوۃ المصدر و المراد ما بہ القوۃ مجازاً

ملحقات الترجمہ [1] قولہ فی عدوکم جن سے شب و روز یعنی المقابلہ مع آخرین الخ ۱۲ [2] قولہ فی لا تعلمونہم بالتعیین لان العلم الاجمالی بعداوۃ الکفار جمیعاً کان حاصلاً ۱۲ (از مکمل بیان القرآن)

لئے (اس میں) کچھ کمی نہ ہوگی۔

فا۔ حدیثوں میں تیر اندازی کی مشق اور گھوڑوں کے رکھنے اور سواری سیکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے اب بندوق اور توپ قائم مقام تیر کے ہے اور عموم قوت میں یہ سب اور ورزش بھی داخل ہے۔

(مکمل بیان القرآن جلد۴ صفحہ مطبوعہ اشرف المطابع)

پس جب یہ قرآن سے ثابت ہوگیا کہ جیسے جہاد فرض ہے اسی طرح ہر وہ کام جس پر جہاد موقوف ہے وہ بھی ضروری اور مامور بہ ہے تو وہ اہم کام جسکا نام تنظیم المسلمین ہے کہ اس پر ایک جہاد ہی کا وجود موقوف نہیں بلکہ مسلمانوں کا ہر مذہبی معاملہ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا اُسکے ذریعہ انجام کو پہنچ سکتا ہے۔ اور نہ صرف مذہبی اُمور بلکہ مسلمانوں کی دنیا کی بھی تمام ترقی کا دارومدار اُسی پر ہے اور مسلمانوں کے لئے وہ ایسا ہی قوت بخش ہے جیسے امریکہ اور روس کے لئے اٹیم بم کیا وہ ضروری اور مامور بہ نہ ہوگا پس اگر ہمارے نزدیک تنظیم المسلمین بھی ایک اہم اور ضروری کام ہے[۱]

---

[۱] جیسا کہ حضرت حکیم الامۃ قدس اللہ سرہ تنظیم المسلمین میں ارشاد (باقی صفحہ ۱۴۰)

تو جیسے ہمارا یہ علم کہ ہم خواہ نماز کی کتنی ہی تبلیغ کریں ساری دنیا کے مسلمانوں کو نمازی نہیں بنا سکتے ہم کو نماز کی تبلیغ سے نہیں روکتا تو پھر ہمارا یہ خیال کہ ہم خواہ کتنی ہی کوشش کریں مسلمانوں کو منظم نہیں بنا سکتے کسطرح ہمکو تنظیم کے حکم کی تبلیغ سے روک سکتا ہے جب آپ پر تنظیم کی ضرورت منکشف ہوگئی تو اب ہم حضرت حکیم الامتہ محی السنتہ جامع المجددین کا ایک والانامہ پیش کرتے ہیں اور اپنے رسالہ کو عنقریب ختم کرتے ہیں۔ حضرت حکیم الامتہ قدس اللہ سرہٗ نے اُس والانامہ میں تنظیم مسلمین کے اُس بے نظیر الہامی جمہوری[1] نظام کے متعلق صاف صاف یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ قیامت تک آنیوالی نسلوں کے لئے پیام عمل ہے اور ہم دعوی کرتے ہیں کہ ایسا مکمل اور بابرکت نظام نہ آجتک قوم کے سامنے کوئی پیش کرسکا نہ آئندہ اُمید۔

(بقیہ حاشیہ ص۱۳۹) فرماتے ہیں قضاء حاضر میں مسلمانونکو شدید استحکام کے ساتھ منظم ہونیکی سخت ضرورت ہے اور اُن کے تمام منافع و مصالح کی حفاظت اور تمام مضار و مفاسد سے صیانت اس تنظیم پر موقوف ہے الخ (ملاحظہ ہو تقویم المسلمین ص۱ مطبوعہ انوار المطابع)

[1] وہ الہامی نظام عمل کتاب الموسوم بہ جمہوری نظام میں مکمل شائع کیا گیا ہے اور اس کے ملنے کا پتہ ناظم کتبخانہ تجدیدات اشرفیہ متصل جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور ۱۲

مسلم لیگ کے دعوتی خط پر

حضرت حکیم الامتؒ کا جواب

(منقول از خاتمۃ السوانح)

وفات سے صرف تین ماہ قبل بھی جبکہ ضعف و مرض کی کافی شدت تھی مسلم لیگ کی پوری پوری رہبری فرما گئے اور بالکل اسلامی نظریہ کے مطابق اسکی صورت یہ ہوئی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا گذشتہ سالانہ اجلاس جو ۲۴ راپریل ۴۳ء بمقام دہلی نہایت اعلیٰ پیمانہ پر منعقد ہوا تھا اُسکی اطلاع دیگر ارکان مسلم لیگ نے بایں الفاظ دعوتِ شرکت دی تھی کہ آپ سے استدعا ہے کہ اس موقعہ پر خود دہلی تشریف لاکر اپنے ارشادات سے مجلس کو ہدایت دیں تو بہت بہتر ہو لیکن اگر حضور تشریف نہ لاسکیں تو اپنے نمائندے کو بھیج کر مشکور فرمائیں اور دعا فرمائیں کہ اللہ پاک اس اجتماع کے رعب سے غیر مسلموں کے دلوں کو مسحور کردے اور ہمارا مطالبہ پاکستان منوا دے تاکہ سلطنتِ اسلامی قائم ہوسکے۔

اسکے جواب میں حضرت اقدس نے بطور پیغام کے ذیل کا ہدایت نامہ ارقام فرمایا۔

جواب - از ناکارہ آوارۂ ننگِ انام اشرف برائے نام نجدمت ارکانِ مسلم لیگ نصرہم اللہ ولفرہم اللہ

السلام علیکم - لیگ کے عزائم معلوم کر کے اس آیت پر عمل کی توفیق ہوئی۔ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا۔ لیکن اگر اسکے ساتھ ہی عذر نہ ہوتا تو اس آیت پر عمل ہوتا۔ انفروا خفافا وثقالا۔ لیکن عذر کے سبب اس رخصت پر عمل کی اجازت مل گئی لیس علی الضعفاء ولا علی المرضیٰ ولا علی الذین لا یجدون ماینفقون حرج اذا نصحوا للہ ورسولہ لیکن اسکے ساتھ ہی اس آیت کا شرف حاصل ہوگیا کہ اپنی دو کتابوں کا پتہ دیتا ہوں جو انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک آنیوالی نسلوں کے لئے پیام عمل ہے ایک حیات المسلمین شخصی اصلاح کیلئے دوسری صیانۃ المسلمین جمہوری نظام کیلئے انکے مضامین اپنے موضوع میں گو رنگین نہیں مگر سنگین ہیں جسمیں وہی فرق ہے جو ذوق و غالب کے اشعار میں اور حکیم محمود خاں، حکیم محمد صادق خاں کے نسخوں میں اور نمائندہ وہ کام نہ کر سکتا جو یہ کتابیں کر سکتی ہیں مگر عمل شرط ہے جیسے اعلیٰ درجہ کا ماء اللحم بوتلوں میں بھرا ہوا قیمتی ہے مگر نتیجہ خیز نہیں یہ نفع اسکا اس وقت ظاہر ہوگا جب حلق سے اترے گا۔ ورنہ بدون

عمل یہ سب کوشش اسکا مصداق ہوگی نشستند وگفتند و برخاستند
باقی دعا ہر حال میں خصوص ان تاریخوں میں زیادہ اہتمام سے جاری
رکھونگا۔ بقول کسی شاعر کے ؎

لا خیل عندک تہدیھا ولا مال :: فلیسعد النطق ان لم یسعد الحال

نوٹ

میں دونوں کتابیں اگر یہاں مل گئیں تو ۲۲ر اپریل کو ڈاک
سے ہدیۃً روانہ کرونگا ورنہ دہلی میں کسی کتب خانہ تجارتی سے
تلاش کیجائیں۔ والسلام

بعد تحقیق معلوم ہوا کہ حیوٰۃ المسلمین بلا قیمت جاسکتی ہے سو
اسکا نسخہ روانہ کررہا ہوں نیز یہ معلوم ہوا کہ صیانۃ المسلمین یہاں
نہیں ہے لہذا وہاں تلاش کرالی جائے۔

احقر اشرف علی تھانہ بھون۔ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ ہمارے حضرت کے خدام جہاں پر بھی ہیں اپنی تبلیغی ذمہ داری کا بقدر استطاعت پورا پورا احساس فرمارہے ہیں اللہ تعالےٰ اُنکی عمر درجات میں ترقی عطا فرمائے اور مسلمانوں کو اُنکے فیوض و برکات سے مالامال فرمائے۔

ہمارا انجام

اور

اُس کا ایک حسرتناک پیغام

(ایک میاںجی اور ملّاجی کا مکالمہ)

ملّاجی ۔ السلام علیکم

میاںجی ۔ وعلیکم السلام ۔ ملاجی کیسا مزاج ہے آج آپ بہت ہی افسردہ اور پژمردہ معلوم ہوتے ہیں ۔

ملّاجی ۔ کیا کہئے ایک چیز کا نہایت درجہ خطرہ پیدا ہو گیا ہے

میاںجی ۔ خیر باشد وہ کیا خطرہ ہے بیان تو فرمائیے ۔

ملّاجی ۔ وہ یہ کہ امسال تو جسطرح بھی ہو سکا لے دیکر ہم نے جہاد کو فرض ہونے سے روکدیا مگر آئندہ ہماری خیر نہیں آئندہ سال ہمارے اوپر جہاد ضرور فرض ہوجائیگا

میاںجی ۔ وہ کس طرح ۔

ملّاجی ۔ وہ اِس طرح کہ گو اِس وقت بھی ہمارے اندر قوت ہے بلکہ نہایت افسوس کے ساتھ ہم اس کہنے پر مجبور ہیں کہ

ہمارے اندر پہلے سے زیادہ قوت ہے مگر خیر یہ غنیمت ہے کہ ابھی ہماری قوت دشمن کے برابر تو نہیں بلکہ ہمارا دشمن اِس وقت ہم سے کہیں زیادہ بڑی قوت کا مالک ہے ہماری قوت کا وزن اِس وقت سیر بھر ہے تو ہمارے دشمن کا قوت کا وزن چار سیر ہے تو ایسی حالت میں ہم اُس کے مقابلہ میں کس طرح کامیاب ہو سکتے تھے لہٰذا ہم نے اپنے اس عذر کو خوب غنیمت سمجھا اور ٹٹی کی اوٹ اس ہتھیار سے خوب شکار کھیلا۔ اور جب جہاد نے اپنی فرضیت کو ساتھ لے کر ہماری حدود میں داخل ہونا چاہا تو ہم نے اس ہتھیار کو اُس کے مقابلہ میں استعمال کر کر جہاد کو اپنے حدود میں داخل ہونے سے قطعاً روک دیا لیکن آخر تا کجے چونکہ دن بدن ہم ترقی کر رہے ہیں اور نہایت افسوس ہے کہ ہماری ترقی کی رفتار کوئی معمولی نہیں بلکہ فی سال چوگنی ہے لہٰذا اگر اس وقت ہماری قوت کا وزن سیر بھر ہے تو آئندہ سال ضرور بالضرور چار سیر ہو کر رہے گا تو پھر ہمارا یہ عذر کہ جس پر ہم کو ایسا

ہی بھروسہ ہے جیسا کہ امریکہ کو ایٹم بم پر ہمارے ہاتھوں سے ایسا ہی غائب ہو جائے گا جیسا کہ ہندوستان سے انگریز غائب ہو گیا لہذا آئندہ سال ہم پر جہاد بغیر فرض ہوئے نہیں رہے گا۔

میاںجی۔ (ملا جی کے کان کے پاس اپنا منہ لیجاکر) کیوں جناب آپ اگر ترقی کر رہے ہیں تو کیا آپ کا دشمن ترقی نہیں کر رہا۔ اگر آپ کی ترقی کی رفتار فی سال چوگنی ہے تو کیا آپ کے دشمن کی ترقی فی سال آٹھ گنی نہیں ہے اور اگر ہم مان بھی لیں کہ وہ آپ کی خاطر سے اپنی ترقی کی رفتار کو آپ سے پوچھ پوچھ کر بڑھائے گا۔ یعنی فی سال وہ بھی چوگنی ترقی ہی کرنے گا اس سے زیادہ نہ کرے گا تو آئندہ سال جبکہ آپ کی قوت کا وزن بجائے سیر بھر کے چار سیر ہو جائے گا تو کیا آپ کے دشمن کی قوت کا وزن بجائے چار سیر کے سولہ سیر نہیں ہو جائے گا پس یقینی بات ہے کہ اس وقت تو آپ کی قوت آپ کے دشمن کے مقابلہ میں تین سیر کم ہے کیونکہ اس کی قوت کا وزن چار سیر ہے اور آپ

کی قوت کا وزن سیر بھر ہے لیکن آئندہ سال آپ کی
قوت آپ کے دشمن کے مقابلہ میں آٹھ سیر کم ہو جائیگی
کیونکہ کم از کم آپ کو اُس کے لئے ترقی کی اوسط رفتار
کا پرمٹ تو ضرور ہی دینا پڑے گا کہ جس رفتار سے
آپ خود ترقی کر رہے ہیں تو جب آپ نے اپنی قوت
کے صرف تین سیر کے کم ہونے کی حالت میں جہاد کو
فرض ہونے سے روک دیا تو جبکہ آپ کی قوت آپ
کے دشمن کے مقابلہ میں آٹھ سیر کم ہو جائے گی تو اُس
صورت میں تو آپ بہت آسانی کے ساتھ اپنے اِس
مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور اپنے جہاد جیسے بڑے
دشمن کی نہایت خوبی کے ساتھ مدافعت کر سکتے ہیں
لہذا آپ اتنے پریشان کیوں ہوتے ہیں بالکل مطمئن رہیں
حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور تک کا تو میں ٹھیکہ
لیتا ہوں جو کبھی آپ پر جہاد فرض ہو سکے صدیاں گذر
جائیں گی مگر جہاد آپ کے پاس تک نہ آ سکے گا اور وہ
تو آپ نے بڑی غلطی کی اگر آپ پہلے سے اس دنیا میں
تشریف لے آتے تو آپ کے قدوم میمنت لزوم کا فائدہ

صرف آپ ہی تک محدود نہ رہتا بلکہ آپ کے بزرگ
بھی آپ کے وجود با جود سے فیض یاب ہو جاتے اور
بیچارے کروڑوں مسلمانوں کو برسوں تک جو انتہی شدید
مشقت جہاد کی اُٹھانا پڑی ہرگز نہ اُٹھانی پڑتی کیونکہ کبھی
جہاد کے فرض ہونے کی نوبت ہی نہ آتی اِس لئے
کہ کفار کے مقابلہ میں مسلمان جب کبھی آئے تو قلت اور ضعف
ہی کو اپنے ساتھ لے کر آئے۔

ملاجی۔ واللہ یہ خوب یاد دلایا واقعی ہمارا دشمن بھی تو ترقی کر رہا
ہے اور جب وہ ہم سے اپنی ترقی کی رفتار کا پرمٹ
لینے کے لئے آئے گا تو اُس کو اتنی ترقی کی اجازت تو
ہم ضرور ہی دینگے کہ جس رفتار سے ہم ترقی کر رہے
ہیں جس کا نتیجہ لازمی طور پر اتنا تو ضرور نکلے گا کہ اگر اِس
وقت ہماری قوت ہمارے دشمن سے تین سیر کم
ہے تو آئندہ سال ہماری قوت ہمارے دشمن کے
مقابلہ میں سولہ سیر کم ہو جائے گی بس اب بالکل اطمینان
ہو گیا آپ کا بہت بہت شکریہ۔

یہ جواب سنکر ملاجی تو ہشاش بشاش اپنے گھر کو

رخصت ہو گئے اور بیچارے میاں جی گردن جھکا کر آہستہ آہستہ اپنا وہی پرانا وظیفہ رٹنے لگے۔ ؎

گر ہمیں مکتب است و ایں ملا

کارِ طفلاں تمام خواہد شد

وما علینا الا البلاغ

واخر دعوٰنا

ان الحمد للہ

رب العالمین

ایک مخفی راز کا سنسنی خیز انکشاف

جمہوری نظام

یہ خانہ جنگی اپنی ہر روز کا ہے ماتم
ہمیں کیا برا تھا مرنا اگر ایک رفعہ ہوتا

آخر اس کی کیا وجہ کہ دُنیا میں ہر قوم کے لئے موت کا ایک دن مقرر ہے مگر بیچارہ مسلمان ایک بار مر کر ابھی پورے طور پر زندہ بھی نہیں ہونے پاتا کہ پھر دوبارہ اُس کی موت اُسکے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی ہے اگر اِس مہلک مرض کیلئے صرف یہ تدبیر کافی ہوتی کہ مسلمانوں کے سامنے باہمی اتفاق و اتحاد کے لکچر دیئے جاویں اور در و دیوار پر تنظیم کی ضرورت کے پوسٹر چسپاں کر دیئے جاویں تو مدتوں تک یہ علاج بھی کر دیکھا گیا مگر نبض پر جب ہاتھ رکھا گیا تو یہی جواب ملا ؎

مریض عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

پس سنئے اور اچھی طرح سنئے اِس کا راز سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہم کو نماز کا طریقہ معلوم تھا تو ہم نے نماز شروع کر دی لیکن تنظیم کا طریقہ کبھی

۴۔ ہم اپنی دینی اور دنیوی ہر کوشش میں ناکامیاب رہے ہے لہذا ضرورت تھی کہ تنظیم کا ایک ایسا مکمل نظام عمل کہ جس کو تائید غیبی ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم (اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کریگے اور تمہارے قدم جما دینگے) کا سارٹیفکیٹ حاصل ہو اور جس پر ومن اصدق من اللہ قیلا (اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کا کہنا صحیح ہوگا) کی مہر لگ رہی ہو مسلمان کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ اُس آب حیات کو جب بھی وہ نوش کرے ابدالآباد کے لئے زندہ ہو جائے لہذا آخر کا پیارے نبی کی پیاری اُمّت پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور اُس اُمّت کے ایک گوشہ نشین فقیر (یعنی جامع المجددین محی السنتہ حکیم الامۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے قلبِ صافی پر نہ صرف ایسے نظام عمل کی ضرورت کا القاء فرمایا بلکہ ملہم حقیقی نے اپنے غیبی اشارات کے واسطے سے تنظیم کا ایک ایسا مکمل جمہوری نظام مرتب کرایا کہ نہ اس سے پہلے اِس صدی میں کسی نے دیکھا نہ سننے میں آیا اور اُس کو ہم نے مسلمانوں کی خیر خواہی کی غرض سے نہایت ضروری سمجھ کر طبع کرایا

قیمت علاوہ محصولڈاک (عہ)

ملنے کا پتہ

ناظم کتبخانہ تجدیدات اشرفیہ متصل جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد انارکلی لاہور

(معین الدین شیروانی بریلوی پرنٹر پبلشر نے استقلال پریس لاہور سے چھپوا کر جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد انارکلی لاہور سے شائع کیا۔)

صحت نامہ آثار رحمت

نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	ماقبل آخر	طور پر	خاص طور پہ
۱۱	۶	الملاعم	الملاحم
۲۸	۵	×	یہ خصوصیت مجدد من اللہ تعالیٰ کی بھی
۳۵	۸	للحالم	للحاکم
۳۷	آخر	سلطان	سلطاناً
۴۱	۱۲	حققہ	حققہ
۴۶	۱	سالقہ	سابقہ
۴۶	۱۱	آخر ماہر	آخر بہر منتہی
۴۸	ماقبل آخر	مہ چھینگے	کہ چھینکے
۵۲	ماقبل آخر	×	یہ حدیث[1]
۶۸	۵	خوتخط	خوشخط
۸۰	۱۱	یلعبہ د	یلعبان و نتی
۸۱	۷	بیا	بہا
۸۲	۳	اسی	اِس
۸۸	ماقبل آخر	×	چنانچہ[1]
۱۰۲	آخر	بیہ بہی	یہی
۱۵۲	۸	آخر کا	آخر کار

از افاضات

قدوۃ السالکین و زبدۃ العارفین و الکاملین حضرت اقدس

مولانا مولوی حافظ قاری حاجی جلیل احمد صاحب

علی گڈھی دام ظلہم العالی

خلیفہ و مجاز بیعت حضرت اقدس حکیم الامۃ مجدد الملۃ محی السنۃ

مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

الناشر

بشیر دانی بریلوی ناظم کتب خانہ تجدیدات اشرفیہ و صیانۃ المسلمین

جامعہ اشرفیہ گلی ۱۶۸ نیلا گنبد انارکلی لاہور

(قیمت علاوہ محصول ڈاک دو روپے دو آنے)